

مجالس ترائی

علامہ رشید ترائی

مجالس ترائی

علامہ رشید ترائی

دعا کے تمام احکامات اور مہر و معجزات
 دعا کے بارے میں تفصیل

*

ترتیب

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۵	رضائے رب	۱
۱۵	دُعا	۲
۲۹	سجدہ	۳
۴۵	یقین	۴
۶۱	رزق	۵
۷۳	تسلیم	۶

رِضائے رَبِّ

أَرْضَيْتُمُ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ • (سورہ توبہ آیت ۲۸)

کیا تم راضی ہو گئے حیاتِ دنیا پر آخرت کے بدلے، کیا تم کو یہ نہیں معلوم ہے کہ تمہاری یہ ساری بساطِ یہ ساری کائنات، یہ دنیا کی ساری زندگی، یہ سارا مال و متاع آخرت میں بہت قلیل ہے۔ اس کی کوئی وقعت نہیں ہے اس دنیا پر تم راضی ہو گئے۔ اس دنیا کو تم نے اپنانے کی کوشش کی جس کی کوئی قدر آخرت میں نہیں ہے تو یہ وہ نازل فکر ہے جہاں سے ایک مستقل عنوان پر گفتگو مقصود ہے۔ وہ یہ کہ انسان راضی ہوتا ہے حیاتِ دنیا پر اور چاہتا ہے کہ یہ حیاتِ دنیا اس کو میسر آجائے، حالانکہ آخرت کے اعتبار سے یہ متاعِ دنیا بہت ہی قلیل ہے۔ صلوات؛

آپ نے دیکھا کہ بندوں کی خوشی یہ ہے۔ بندوں کی رضا یہ ہے بندوں کی خواہش یہ ہے کہ دنیا ملے اور ادھر ذاتِ واجب کی خواہش یہ ہے کہ:

”لَا يَرْضَىٰ بَعْدَ إِدْرَاكَ الْكَفْرِ“ (سورہ زمر آیت ۷)

خدا راضی نہیں اس بات پر کہ بندے کافر ہو جائیں۔ یہ سورہ یونس کی آیت ہے جس کو اب آپ سنیں گے۔ یہ تو آپ نے سن لیا لَا يَرْضَىٰ بَعْدَ إِدْرَاكَ الْكَفْرِ

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۷	حجّت الہی	۸۳
۸	عقل	۹۲
۹	صبر	۱۰۱
۱۰	ہدایت الہی	۱۰۹
۱۱	تقویٰ	۱۲۲
۱۲	اتباع حق	۱۲۷
۱۳	کلمہ طیبہ	۱۳۶
۱۴	ذکر حسین	۱۵۲



خدا راضی نہیں ہے اپنے بندوں کے کفر سے۔ یہ سورہ زُحْر کی ساتویں آیت ہے۔ اب سورہ یونس کی آیت میں ارشاد ہوا کہ تم نے حیات دنیا کو اپنانے کی کوشش کی، اور تم یہ سمجھ کر تم راضی ہو گئے حیات دنیا پر۔ مگر کب؟ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ رِیْقَاءَ نَا (سورہ یونس آیت ۷)

”وہ لوگ جو ہماری ملاقات نہیں چاہتے۔“ جو یہ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہیں ہے۔ دوری نہیں ہے۔ ان کو ہماری بارگاہ میں نہیں آنا ہے۔ رَضُوا بِالْحَیْوَةِ الدُّنْیَا یہ وہ لوگ ہیں جو حیات دنیا سے راضی ہو گئے، وَاَطْمَأْنَنُوا بِهَا، اور اطمینان سے بیٹھ گئے کہ آخرت نہیں ہے تو خدا کی رضا میں اور بندے کی رضا میں جو فرق بتلایا وہ یہ بتلایا کہ خدا راضی نہیں ہے کہ بندے کافر ہوں، خدا راضی نہیں ہے کہ بندے فاسق ہوں۔ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ۔

(سورہ قوبہ آیت ۹۲)

خدا راضی نہیں ہے فاسقین سے کہ بندے اس کے فسق و فجور کریں۔ خدا راضی نہیں ہے اپنے بندوں سے کہ وہ کفر کریں۔ بندے راضی ہو رہے ہیں دنیا پر۔ تو ان دو کیفیوں میں مرضی رب میں اور مرضی عبد میں ایک تضاد ہے، ایک مخالفت پائی جاتی ہے اور اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ ہی وہ منزل ہے جہاں آج کی تقریر میں رضائے رب کے عنوان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ کی مرضی کیا ہے اور اس کو کس طرح سے حاصل کرنا چاہیے آپ کی مرضی تو یہ ہے کہ دنیا میں اگر اللہ کی مرضی یہ ہے کہ کفر نہ ہو، فحور نہ ہو، بندے راہ سے ہٹیں۔

یہ آیتیں بہت ہی غور کے قابل ہیں۔ ذرا اسی آیتوں کو چن لیا۔ اس لیے کہ نوجوانوں کو یاد رہے۔ جہاں جہاں آواز پہنچ رہی ہے یہ آیتیں یاد رہیں۔ لَا یَرْضٰی رِیْبًا وَّہِ الْکُفْرَ۔ خدا راضی نہیں ہے کہ اس کے بندے کافر ہوں۔

اب ایک بات یاد رکھیے۔ رضائے پروردگار اس کو حاصل کرنا، یہ بندگی کا کمال ہے، یہ بندگی کا عروج ہے، یہ بندگی کی روح ہے، یہ بندگی کی جان ہے یہ انسانیت کے فیض کمال پر وہ جوہر ہے کہ جہاں انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ میں نے مرضی رب کو حاصل کر لیا ہے اور جیسے جیسے انسان کامل ہوتا جائے گا مرضی رب کو حاصل کرنے کے لیے بچیں ہوتا جائے گا، وہاں مرضی رب اس طرح سے آگے بڑھ کر استقلال کرتی ہے کہ تو میری رضا کو ڈھونڈنے چلا تھا، اب میں تیری مرضی کو ڈھونڈتا ہوں۔ حد انسانیت کے کمال پر ہم کو جو انسان نظر آیا کہ جہاں یہ ارشاد ہوا ”وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی“ (سورہ البصی آیت ۵) (کہا اور عنقریب تیرا رب تجھ کو (بے محمل) اتنا عطا کرے کہ تو راضی ہو جائے گا۔

یعنی مرضی معبود ڈھونڈتی ہے اس بندے کو کہ جس بندے کو خدا راضی کر دے۔ یہ بندگی کا کمال ہے۔ اور یہ کمال تب میسر ہوتا ہے جب بندہ رضائے رب کا مستلاشی ہو کر اپنی خواہشات کو اپنی تمناؤں کو اپنی آرزوں کو جذبہ مرضی مولا کر دے فنا کر دے مرضی مولا میں، تو پھر وہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ”اِحْبَابِہُمْ رَاضِیُّہُ“ اور اس طرح سے راضی ہوئے کہ اب ہم کو یہ دیکھنا پڑے گا کہ تم کس چیز سے راضی ہو؟ کیونکہ اطمینان ہے ذات واجب کو، کہ یہ بندہ وہ نہیں چلبے گا جو ہم نہیں چاہیں گے یہ بندہ وہی چلبے گا جو ہم چاہیں گے۔ یہ بندہ وہی چلبے گا جو ہم چاہیں گے۔ اسی لیے کہا۔ ”وَمَا تَشَاۤءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ“ (سورہ دھر آیت ۲۰) ”تم نہیں چلبتے ہو مگر وہی چاہتے ہو جو خدا چاہتا ہے۔“

رضائے رب کے عنوان پر گفتگو ہے۔ مالک کی مرضی بندے کے لیے سب سے اہم ہے کہیں رب کسی مقام پر رب کسی حال میں رہو، مرضی مولا پر نظر رہے مگر مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ یہ کہ مرضی مولا یہ نہیں ہے کہ جسے دنیا سمجھتی ہے دنیا

سمجھتی ہے کہ کسی قاتل نے کسی کو قتل کر دیا، اور قتل کر کے اگر سمجھے، مرضی مولایم تھی اور اپنے بچاؤ کی کوشش کی کسی نے چوری کی اور کہا کہ مرضی مولایم تھی، اگر مرضی نہ ہوتی تو چوری کیوں کرتا کسی ظالم نے ظلم کیا اور ظلم کرنے کے بعد اس نے کہا کہ مرضی مولایم تھی اگر وہ نہیں چاہتا تو میں ظلم کیوں کرتا۔

تو میں صرف اتنا سمجھنا چاہتا ہوں کہ یہ صحیح ہے کہ اُس نے تمہیں پیدا کیا، یہ صحیح ہے کہ اُس نے تم کو ہاتھ دیے، یہ صحیح ہے کہ اُس نے لوہے کو تیز کرنے والی عقل بھی دی۔ یہ صحیح ہے کہ تم کو یہ اختیار دیا کہ تم لوہے سے خنجر بناؤ، یہ صحیح ہے کہ تم کو خنجر پکڑنے کی طاقت بھی دی۔ اتنا سب عطا کر کے بے اختیار (فوراً، بلاخیر) اپنی جھٹوں کو بھی بھیجا، انبیاء کو بھیجا، رسولوں کو بھیجا کہ اس سے کہو کہ انسان کے نفس کا احترام کرو۔ یہ کسی کو قتل نہ کرے، ہم راضی نہیں ہیں۔ تو اس حد کو پہنچاؤ کہ عطا کر کے روکتا کہاں ہے، عطا کر کے کہاں نہیں روکتا۔ قوت دی، طاقت دی، وہ اس لیے نہیں کہ کوئی جرم کرے، اور کوئی اپنے آپ کو بچانے کی کوشش نہ کرے۔ اُس کی مرضی نہیں ہے کہ کسی بندے پر ظلم ہو۔ اپنے اختیار کو غلط استعمال کر رہا ہے۔ یہ اپنی آزادی کا غلط استعمال کر رہا ہے۔ یہ تھوڑی سی فرصت دینا، یہ تھوڑی سی مہلت زندگی ملی ہے اس کا استعمال غلط ہو رہا ہے ورنہ اس نے قوت اس لیے نہیں دی تھی کہ کوئی جا بے کسی کمزور پر جبر کرے، اور ظلم کرے۔ اب ایسی حالت میں ظالم یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے قتل کیا، یہ اللہ کی مرضی تھی جو ہونا تھا وہ ہوا۔ چور یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے چوری کی، یہ اللہ کی مرضی تھی، نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ جس کا مال چوری ہو گیا، وہ یہ کہہ کر صبر کرے، کہ یہ اللہ کی مرضی تھی۔ صدقات۔ جس پر ظلم ہوا وہ یہ کہہ کر صبر کرے کہ ہاں یہ مرضی تھی اور جس کو قتل کیا گیا وہ قتل ہونے سے پہلے کہہ سکتا ہے کہ مالک تیری مرضی کے آگے مرجھکا رہا ہوں۔ قاتل کو حق نہیں ہے کہہ کا یہ مرضی تیری تھی مقتول کو یہ حق ہے کہہ کا کہ یہ تیری مرضی تھی۔

اب آپ سمجھ گئے۔ یہ ہے وہ منزل لَا یَرْضٰی لِعِبَادِهِ الْکُفْرَ خدا راضی نہیں ہے کہ اس کے بندے کافر ہوں، خدا راضی نہیں ہے عَنْ الْقَوْمِ الْفَاسِقِیْنَ، ان فاسق بندوں سے جو فسق و فجور کریں۔ قوم فاسقین سے خدا راضی نہیں ہے۔ خدا راضی نہیں ہے کہ وہ فسق و فجور کریں۔

مطلب یہ ہے کہ اگر اس کے معنی یہ لیے جائیں کہ فسق و فجور کرنے والا یا کفر کرنے والا اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دے کہ جو ہونا تھا، وہ تو وہیں لکھ دیا گیا۔ اگر تیرا حکم نہ ہوتا تو کیوں قتل کرتا اگر اس خیال سے اور اس عقیدے سے تسلی دے تو یہ عقیدہ اس لیے غلط ہے کہ یہاں قاتل کو حق نہیں پہنچتا۔ انبیاء کے رسولوں کے جھٹوں کے اوصیاء کے، اولیاء کے آجانے کے بعد اور عقل جیسی حجت کے مل جانے کے بعد یہ حق نہیں پہنچتا کسی کو کہ وہ اپنے ظلم کا جواز ڈھونڈے اور اپنے جبر کا جواز ڈھونڈے اور اپنے تعدی کا جواز ڈھونڈے۔ ہاں جیسا کہ میں نے کہا یہ مظلوم کے لیے جائز ہے۔ یہ مظلوم کے لیے جائز ہے کہ وہ بے اختیار کہے کہ یہی مرضی مولایم۔

اب میں سمجھتا ہوں کہ میرے سننے والے سمجھ گئے کہ کوئی واقعہ کر بلا کو اس طرح سے سمجھنے کی کوشش کرے کہ یہ اللہ کی مرضی تھی، ہاں اس مرضی کے دورِ رخ ہوں گے۔ قاتل یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے قتل اس لیے کیا کہ حیت کے مقدس قتل تھا، مگر حیت یہ کہہ سکتے ہیں اپنے نانا کے روضہ پر کہ اِنِّیْ اَصْبِرُ بِسِرِّ وَجْہِیْ وَ اَبِّیْ میں اب اپنے نانا اور اپنے بابا کی سیرت پر چل رہا ہوں رِضَا اللہ بِرِضَاْنَا اَهْلَ الْبَیْتِ۔ اب جو اللہ کی مرضی ہے وہ ہم اہل بیت کی مرضی ہے۔ یہ وہ یہ وہ گھرانہ جو اپنی جان دے کر اور اپنی جان بچ کر مرضی حق کا سودا کر رہے۔ وَ مِنْ النَّاسِ مَنْ یُّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْءِیْبَادِ (سورہ بقرہ آیت ۲۰۴)

”انسانوں میں وہ کون ہے جو اپنے نفس کو بیچ کر اللہ کی رضا کو خرید لے؟ یہ ہی تو وہ ہیں جو شہد سحرت بستر رسول پر سو کر اپنے نفس کو بیچتے ہیں۔ رضائے حق کو خریدتے ہیں۔ تو یہ وہ گھرانہ ہے کہ بستر رسول پر رضائے حق کو خریدے یا خاکِ مینو پر۔ مگر خرید لی رضائے حق ان بندوں نے رضائے حق کو لے لیا اور اس کی مرضی کے مطابق اپنے آپ کو بندگی کے اس کمال پر پہنچا دیا جہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہاں اب اس کی مرضی۔

ذرا سی بات ہے، میں نے تین آیتوں سے استدلال کیا ہے کہ خدا راضی نہیں ہے کہ بندے کافروں، خدا راضی نہیں ہے کہ بندے فاسق ہوں، خدا راضی نہیں ہے اس بات پر کہ تم دنیا کے پیچھے پڑ جاؤ۔
 ”أَرْضَيْنَا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ“ (سورۃ توبہ آیت ۲۸)
 حیاتِ دنیا کی بساط کیلئے، حیاتِ دنیا کی متاع کیلئے جس کے پیچھے دوڑ رہے ہو یہ رے کی حکومت کیلئے۔ کیوں کہ پیچھے دوڑ رہے ہو؟ تو یہ وضاحت کر دی جبرائیل کے لہجہ کا کچھ بندے ایسے ہیں جو میری مرضی پہ چلتے ہیں، جو مجھ سے راضی ہوں، میں اُن سے راضی ہوں۔ يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُنْتَبِتَةُ ۖ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۚ (سورۃ الفجر آیت ۲۷-۲۸)

”اے صاحبِ نفس مطمئنہ لوٹ جا اپنے رب کی طرف اور تو نے اپنے رب کی رضا کو خرید لیا۔“ فَاذْخُلِي فِي عِبَادِي ۖ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۖ

سورۃ الفجر آیت ۲۹-۳۰

”میرے بندوں میں داخل ہو جا، میری جنت میں آ جا۔“ آپ نے دیکھا کہ وہ بندے بھی ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ اللہ کی مرضی ہے۔

ابن عباس نے کہا جاتے ہوئے، کہ اکیلے جائے، یہ بیٹوں کو کیوں لے جا رہے ہیں؟

تو اب جو جواب ملا، اُسے سمجھنا چاہیے آپ کو۔
 جواب دیا۔ ابن عباس! اِنَّ اللّٰهَ شَاءَ اَنْ يَّرَآهُمْ سَرَّآيَا اللّٰهَ نے چاہا ہے کہ یہ (بہنیں) در بدر پھریں۔
 قدموں پر گر گئے۔

عبداللہ ابن جعفر طیار نے روکا، مولا! نہ جائے۔
 تو بے اختیار (فوراً) فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ شَاءَ اَنْ يَّرَآفِي قَتِيلًا۔ ”بیشک، اللہ نے یہ چاہا ہے کہ مجھے اپنی راہ میں قاتیل (قتل کیا ہوا) دیکھے۔“ اس گفتگو سے آپ ہی کے لیے حجت نہیں ہے۔ میری گفتگو کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ اس گفتگو سے قاتل کے لیے حجت نہیں کہ جب خدا نے چاہا تو ہم نے قتل کر دیا۔ اگر یہ نظام ہو تو ساری کائنات میں نظامِ عدل کو دور ہم پر ہم پائیں گے کہ خدا نے یہ چاہا۔ ہر شخص کوئی کام کر کے بھی کہے گا کہ خدا نے یہ چاہا۔ مگر جو آپ اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ آپ اپنے خالق کے لیے کیسے پسند کرتے ہیں؟ اور یہ وہ منزل ہے کہ جہاں بار بار آپ اُمّتِ اہل بیت کے لیے پائیں گے کہ اللہ کی مرضی یہ ہے، اور یہی ہونا چاہیے۔

گفتگو ختم ہوئی۔ میں نے اس آیت سے شروع کیا تھا: أَرْضَيْنَا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ”کیا تم حیاتِ دنیا پر راضی ہو گئے، آخرت کے بدل۔“

اور میری آخری منزل یہ ہے کہ حسین ابن علی نے سجدہ آخر میں اس دعا کو شروع کیا جو رضائے رب کی دعا تھی کہ رِضَايُكَ قَضَاءٌ وَسَلَامٌ لِّمَا لَا مَرِيَّةَ ۚ میں راضی ہوں اُس کے فیصلے پر۔

حسین راضی ہیں لَا مَوْجُودَ سِوَاہُ (اس کے سوا کوئی واجب الوجود نہیں ہے) يَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيثِينَ اے بے پناہوں کو پناہ دینے والے! فریاد کرنے والوں کی فریاد کو سننے والے! تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے میرا۔ وَضًا بِقَضَائِهِ وَتَسْلِيمًا لَا مَرَّةً • میں راضی ہوں اُس کے فیصلے پر، میں تسلیم کرتا ہوں اُس کے امر کو۔

مگر دعا کو جس مقام پر ختم کیا وہ جملہ یہ تھا۔ ”پروردگارا! میں نے اپنے وعدے کو پورا کیا۔ اب تو اپنے وعدے کو پورا کر۔“

شام غریباں کی مجلس ہے۔ حسین ابن علی کا وعدہ پورا ہوا اور میں نے سجدہ آخر سے گفتگو شروع کی ہے اور یہ چاہتا ہوں کہ یہ بتلاؤں کہ یہ تھا وقتِ عصر کا اور اس کے بعد کہ بلا میں شام ہوئی، ظاہر ہے کہ اس بارگاہ میں بڑی رونق تھی، آج یہاں سب مٹی پر بیٹھے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں، مگر یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کل کی رات میں اور آج کی رات میں کچھ فرق ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کو نظر نہ آئے فرق۔ کوئی زینب کے دل سے پوچھے، کوئی ام لیث کے دل سے پوچھے، کوئی ام ربیع کے دل سے پوچھے، کوئی ام فروہ سے پوچھے کہ ان دو راتوں میں فرق کیا ہے۔ کل کی رات کسی گزری، شب عاشور کیسی گزری۔ عباس خیمے کے گرد تھے۔ علی اکبر بار بار اٹھ کر دیکھ رہے تھے کہ کون ناصر حسین کہاں ہے۔ قائم ابن حسن خیموں کے اطراف تھے۔ بچے تلوار لیے اپنی ماؤں کے قریب تھے، ماؤں کو تسلی تھی، ہمارے لال ہیں۔ بی بیوں کو تسلی تھی، ہمارے وارث ہیں۔ اور پھر حسین ابن علی موجود ہیں۔

ایک دن میں کوئی گھر اس طرح نہیں اُجڑا۔ ایک دن میں کوئی گھر اس طرح سے تباہ نہیں ہوا جو کل کی رات گزری، فرزند رسول ایک ایک خیمے میں جلتے دعا کرتے اور دیکھتے، کوئی بندگی میں مشغول ہے کوئی دادِ شجاعت دے رہا ہے اور کہہ رہا

کہ کل ہمساری شجاعت دیکھنا۔ آپس میں انصاف حسین باتیں کر رہے ہیں تو یہی، کہ کل بتلائیں گے کہ کسی جنگ ہوگی؟ حسین ابن علی سب کے لیے دعائیں کر رہے ہیں۔ ہاں شہزادیاں مطمئن ہیں کہ علی اکبر ہیں، عون و محمد ہیں۔

میں آپ سے پوچھوں کہ آج کیا رہیں گی رات کون ہے؟ آج کون ہے؟ ہجر گھر خالی ہو گیا۔ عباس نہیں، علی اکبر نہیں، عون و محمد نہیں، قائم ابن حسن بھی نہیں اور گھر کا والی بھی نہیں، گھر کا وارث بھی نہیں اور ایسے میں کیا رہیں گی رات آئی خیموں میں چسپورغ نہیں تھے، مگر روشنی ضرور تھی، اور روشنی تھی خیموں کے جلنے کی۔

چسپورغ شام غریباں میں کس طرح جلتے

کسی کے گھر کو جلا یا ہے روشنی یوں ہے

روشنی خیموں کے جلنے کی تھی، اور کوئی نہ تھا، ہر ایک یاس کے عالم میں ناامیدی کے عالم میں اپنے اپنے وارث کو یاد کرتے ہوئے جلتے ہوئے خیموں کے قریب تھا، سوا ایک بی بی کہ جو نہ بچوں کو یاد کر رہی تھی، نہ بھائی کو یاد کر رہی تھی۔ ایک ایک خیمے میں جاتی اور جیسے جیسے وہ خیمہ جلتا بی بیوں کو باہر لاتی، بچوں کو باہر لاتی، عابد بیمار کو کسی صورت سے باہر لاتی اور کہا، آؤ سب نزدیک آؤ۔

یہ کنبہ کی وارث ہے زینب، یہ کنبہ کی محافظ ہے زینب، اب زینب کی ذمہ داری ہے، اب عباس زینب، علی اکبر زینب، قاسم زینب، حسین زینب، اب سب کی نیابت زینب کرے گی۔ ایک ایک بچے کو سمجھالا، اور کہا، ادھر آؤ میرے نزدیک آؤ، گھبراؤ نہیں، ڈرو نہیں، کسی کی مجال نہیں ہے کہ اب خیموں کے طرف آئے، اب اللہ اللہ کی بیٹی موجود ہے۔“

اللہ اللہ، کسی کو اس طرح کی پریشانی نہ ہو۔ جہاں جہاں میری آواز پہنچ رہی ہے، ممکن ہے وہاں حیرانی ہو، ممکن ہے وہاں پریشانی ہو، ممکن ہے وہاں

اسیری ہو، ممکن ہے کہ وہ لوگ بھی قید و بند کی زنجیریں جھیل رہے ہوں، مگر تم یاد تو کرو آج کی رات کو ظاہر ہے کہ تمہارے لیے 'اے اسیرو! اے قید ہونے والو! ہمارے دل دکھتے ہیں۔ مگر تم کو یاد رکھنا چاہیے کہ بلا والوں کو۔ کہ بلا والے یاد آئے عجیب عالم میں یاد آئے کہ بلا والے۔

میں نے تفسیر خاتمہ پر پہنچائی۔ یہ قیامت کی رات ہے۔ آؤ، اؤ، تم مل کر آخری مرتبہ رضائے حق کو پانے والوں کو سلام کریں، اور جہاں جہاں میسری آواز جا رہی ہے وہ بھی سلام کریں، سلام ہو علی اکبر پر، سلام ہو ہمارے عباسؑ پر، سلام ہو ہمارے قاسمؑ بن حسنؑ پر، سلام ہو ہمارے عونؑ و محمدؑ پر، اور کچھ آگے۔ سلام ہو ہمارے فاطمہؑ کے اس لالہ پر جس کی لاش پامال کر دی گئی۔

دُعَا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ
دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي
لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ •

(سورة البقرة آیت ۱۸۶)

زندگی، مجسّم زندگی کے اور کچھ نہیں ہے اور روحِ بندگی، عزّتِ بندگی، سرمایہٴ بندگی، فخرِ بندگی دُعا ہے۔ اس لیے مناسب یہی تھا کہ بعنوان "دُعا" کلامِ الہی سے استفادہ کیا جائے اور چند اہم امور اس آیتِ وافی ہدایہ کے ذیل میں جو سورۃ بقرہ کی آیت ہے آپ کی سماعت کے لیے بہرہ بنے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ "اگر اور جب تجھ سے سوال کریں میرے بندے میرے متعلق، تو کہہ دینا میں نزدیک ہوں اُجیبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ جب دعا کرنے والا دعا کرتا ہے، مجھے پکارتا ہے، میں جواب دیتا ہوں فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي میری باتوں پر یقین رکھو،

سے مانگ رہا ہے، موتی زبان بندگی سے مانگ رہے ہیں، غمزدستان استعداد سے مانگ رہا ہے، اپنی صلاحیتوں سے مانگ رہا ہے، اُس کا جسم مانگ رہا ہے، اُس کے لبوں کے ذرے مانگ رہے ہیں، اُس کی پیڑیوں کے ٹکڑے مانگ رہے ہیں، اُس کی زندگی جو ہم نے اُس کو عطا کی ہے، ہماری رحمانیت کا تقاضا ہے کہ جب وہ مانگے تو دیں گے زبان سے انکار کر رہا ہے محروم نہیں کریں گے۔ مگر وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ اور جب میری عبدیت میں کوئی آجائے، جب میرا عبد بن کر کوئی آئے، تجھ سے میرا پتہ پوچھے، تجھ سے میرے متعلق پوچھے تو پہلی منزل اِنِّیْ قَرِیْبٌ، تو کہہ دینا میں سے قریب ہوں، دور نہیں ہوں۔ اب آہستہ کہو، دل میں کہو، چھپا کر کہو۔ مانگو مگر شرمناک نہیں۔ اُجِیْبْ ہمیشہ قبول کروں گا، مضارع کا صیغہ ہے۔ استمرارِ اجابت ہمیشہ قبول کروں گا۔ اُجِیْبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَا لِيْ پکارنے والے کی آواز کو دعا کرنے والے کی دعا کو میں قبول کروں گا پس آواز دو مجھے۔

سورۃ مومن چالیسواں سورہ ہے قرآن کا، اس میں ارشاد ہوا۔

”اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ“ (سورۃ مومن آیت ۶۰)

مانگو تم، دعا کرو، مانگو! میں دعا قبول کرتا ہوں

اس لیے کہ انبیاء کا طریقہ یہی تھا کہ وہ دعا کی منزل پر تھے تو ظاہر ہے، دعا شرافت انسان ہے اگر میری آواز ایک پیغام کی صورت اختیار کر رہی ہے تو الفاظ معصوم یہ ہیں کہ قرآن میں چار مقام ایسے ہیں کہ جہاں دعا کرنے کی تربیت اس طرح سے کی کہ تم اس طرح سے کہو، اور جیسے ہی وہ دعا ختم ہوگی ہم قبول کریں گے۔

پہلے ارشاد فرمایا کہ جیسے ہی بندہ کہے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ”ہمارے لیے اللہ کافی ہے، وہی ہمارے لیے کافی ہے،“ فوراً ہی اس کے بعد بلا تردد کہا، فَاَنْقَلِبُوْا بِنِعْمَةِ رَبِّکُمْ اِلَیْ اللّٰهِ وَقُضِیْ (سورۃ آل عمران آیت ۱۶۴)

”اشکر نعمت اور فضل نے اسے گھیر لیا۔“ آیت کے بعد ہی وعدہ ہے۔
دوسری آیت میں ارشاد ہوا۔ ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ“
اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ • (سورۃ انبیاء آیت ۸۷) آیت ختم نہیں ہوئی وعدہ ہے فَاَسْتَجِبْنَا لَہٗ وَنَجَّیْنٰہُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنَجِّی الْمَوْمِنِیْنَ • (سورۃ انبیاء آیت ۸۸) ہم نے اس کی دعا کو قبول کر لیا، ہم نے غم سے نجات دی اور اسی طرح ہم صاحبانِ ایمان کی دعاؤں کو قبول کرتے رہتے ہیں۔

اس کے بعد ایک عجیب آیت ہے کہ جہاں ارشاد ہوا:

”فَاَسْأَلُ اللّٰہَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ“ (سورۃ کہف آیت ۲۵)

جس کی زبان سے یہ جملہ نکلتا ہے ہم اس کی لذتوں کو بڑھا دیتے ہیں، نعمتہائے دنیا میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ دوحق اس کو عطا کرتے ہیں۔ ان آیات کو کوئی نہ بھولے۔ اور آخر میں ایک آیت ہے اور عجیب آیت ہے۔ حَزَقِیْ لَہٗ بِآیَاتِ تِلْکَ اٰیَاتِیْ وَہی وہ آیت ہے ”اَقُوْضْ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّہٗ لَبَصِیْرٌ یَّالْعٰلَمِیْنَ“ (سورۃ مومن آیت ۴۴) میں اپنا کام اللہ کے حوالے کر رہا ہوں، بیشک اللہ بہتر جانتا ہے کہ بندے کیا چاہتے ہیں۔

ارشاد ہوا، جیسے ہی یہ جملہ ان کی زبان سے نکلا، ہم نے ان کی دعاؤں کو قبول کیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ”ہمارے دوستوں میں سے اور امت محمدیہ میں سے جو کوئی ان چار آیتوں کا ورد رکھے تو کبھی اس کی دعا رد نہیں ہوگی۔“

یہ دعا حَزَقِیْ مومن آلِ فرعون نے کی تھی (دیکھیے قرآن مجید)

یہ کلام مجید ہی کی آیتیں ہیں۔ اے کو دعا میں بنا کر آگے بڑھنا ہے
 اللہ کے عزیز بندے، اللہ کے باخبر بندے، مزارِ الہی کو جاننے
 والے بندے، امتیتِ الہی سے آگاہ بندے چاہتے ہیں کہ دعا میں وہ کیف پیدا
 ہو کہ جہاں دعا زبان سے نکلے تو سننے والے تو خیر مگر مالک یہ کہے کہ "سُبْحَانَ اللَّهِ
 عَمَّا يَصِفُونَ ۚ الْأَعْبَادُ لِلَّهِ الْمُخْلِصِينَ" (سورہ صافات: ۵۵-۵۶)
 ان کی (تمہاری) ہر تعریف سے اللہ بلند ہے مگر جب مخلص بندے میری
 تعریف کرتے ہیں تو مجھے پسند آتی ہے۔

آئیے ایک مخلص بندے نے دعا کی ہے۔ "دعاے صباح"
 اس کے صرف تین کلمے پڑھ رہا ہوں :-
 "إِلٰهِي كَيْفَ تَطْرُدُ مَسْجِنَنَا الْتِجَاءَ إِلَيْكَ مِنَ الذُّلُوبِ
 هَارِبًا أَمْ كَيْفَ تَرْدُ ظُلْمَانًا وَرَدَّ إِلَى حِيَاضِكَ شَارِبًا
 كَلًّا وَحِيَاضُكَ مُنْعَعَةٌ فِي ضَنْكِ الْخَوْلِ وَبَابُكَ
 مَفْتُوحٌ لِلطَّلِبِ الْوُغُولِ"۔

پروردگارا! تو اس مسکین کو کیسے واپس کر دے گا جو اپنے گناہوں سے بھاگ
 کر تیرے دروازہ پر آیا ہے۔ پروردگارا! تو رہ ہدایت کو تلاش کرنے والے
 کو کیسے محروم کر دے گا جو تیری بارگاہ میں کوششیں کرتا ہوا آیا ہو، اس تنہا پر
 کہ اب مجھے راہ مل جائے گی۔ پروردگارا! اس پیدے کو کیسے محروم کر دے گا
 جو تیری معرفت کو حاصل کرنے کھڑا ہوا ہو، تیری چوکھٹ پر۔ کیا تو اس کو واپس
 کر دے گا؟ اور حالانکہ تیرا دروازہ ہر ایک طالب و سائل کے لیے کھلا ہوا ہے۔
 یہ "دعاے صباح" ہے۔ شانِ دعا آپ نے دیکھی! اللہ کے مخلص
 بندے چاہتے ہیں کہ دعا وہ دعا ہو کہ جس میں لذتِ مناجات بھی ہو اظہارِ بندگی

بھی ہو، شانِ بندگی بھی ہو اور اپنا مطلب بھی ادا ہو جائے۔ ایک اور منزلِ دعا۔
 قرآن نے تو واقعہ یہ ہے کہ دعا کا طریقہ سکھایا کہ پہلے معبود کی تعریف ہو، تحمید ہو،
 تسبیح ہو، پھر اس کے بعد دعا ہو۔

ایک اور منزلِ دعا کہ جہاں ذی الحجہ کو حسین ابن علی دعا کر رہے ہیں۔
 "إِلٰهِي تَرَدُّدِي فِي الْأَثَارِ يُوجِبُ بَعْدَ الْمَزَارِ إِلَيْكَ أَيْكُونُ
 نَعِيرِكَ مِنَ الظُّهُورِ لَيْسَ لَكَ حَتَّى يَكُونُ هُوَ الْمَظْهَرُ لَكَ
 مَتَى غَبِثَ حَتَّى تَحْتَاجَ إِلَى دَلِيلٍ يَدُلُّ عَلَيْكَ وَمَتَى
 بَعُدْتَ حَتَّى تَكُونُ الْأَثَارُ هِيَ السَّبِيلُ تَوَصَّلْ إِلَيْكَ"
 مالک میرے! میں تیری نشانوں کو کیا ڈھونڈتا جاؤں، کہیں ایسا نہ ہو
 کہ زیارت گاہ دور ہو جائے، میں آثار میں کہاں تک فکر کروں۔ ایسا نہ ہو کہ
 مؤثر نگاہوں سے ہٹ جائے، پروردگارا! کیا تیرے غیر کے لیے بھی کوئی ظہور
 ہے جو تجھے میسر نہ ہو۔ پروردگارا! تو غائب کہاں ہے کہ میں کسی کو دلیل بنا کر
 تیری بارگاہ میں لاؤں، تو دور کہاں ہے کہ میں تجھے ڈھونڈتا پھروں۔ (اس
 کے بعد دعا کی شان دیکھیے۔ پروردگارا! اس نے کیا کھویا جس نے
 تجھ کو پایا، اور اس نے کیا پایا جس نے تجھ کو کھویا۔

یہ شانِ دعا ہے۔

دعا کی ساری مصلحت یہی ہے کہ دل بران حاضر و ناظر رہے۔ دل ہمیشہ
 طالب و سائل رہے، دل ہمیشہ اس بات کو محسوس کرتا رہے کہ کوئی قریب ہے اور اس
 اعتبار سے دعا کی جاتی ہے اور بار بار قرآن یہ کہتا ہے۔ دیکھو! یہ کہتے رہنا:

"رَبَّنَا لَا تَزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ
 لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ" (سورہ آل عمران: ۸)

اے ہمارے پروردگار! تو ہمارے قلوب میں اپنی ہدایت کے بعد کبھی پیدا نہ کر اور ہمیں اپنی بارگاہ سے رحمت عطا فرما، بیشک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

(یعنی) پروردگار کہیں میرے قلب میں کوئی ایسی بات نہ ہو کہ کبھی آجائے ہدایت کے بعد پھر کبھی نہ ہو مجھے ثابت قدم رکھ تیری بارگاہ میں چلتے ہوئے تیری بارگاہ میں حاضری دیتے ہوئے میں ثابت قدم رہوں۔

اسی طرح سرکار رسالت نے ایک دعا کی تھی، صبح روز بدر، بدر کی لڑائی چھڑی، دوسری ہجری اور عجیب دعا ہے، یاد رکھنے کے قابل ہے یہ دعا صرف دو زبانوں پر آئی تھی۔ اللہ کے دو بندوں نے اس دعا کو دہرایا اور یہ تاریخ میں اسکی کے لیے محدود اور مخصوص ہو کر رہ گئی۔ صبح بدر رسول نے اس دعا کو پڑھا۔ صبح عاشور حسین نے اس دعا کو پڑھا۔ اب اس دعا کو مجھ سے بھی سن لیجیے۔ ایک ہی دعا تھی نانا اور نواسے کی، صبح بدر اور صبح عاشور۔

اللَّهُمَّ أَنْتَ ثَقِي فِي كُلِّ كَرْبٍ وَرَجَاءٍ فِي كُلِّ شِدَّةٍ وَأَنْتَ وَلِيِّ فِي كُلِّ أَمْرٍ نَزَلَ فِي شَقَّةٍ وَعُدَّةٍ وَكَمْ مِنْ كَرْبٍ يَضَعُ عِنْدَ الْفَوَادِ نَقْلٍ فِيهِ الْحِيلَةُ وَتَحْذِلُ فِيهِ الصِّدْقُ وَلِيَّتِي بِهِ الْعَدُوُّ وَأَنْزَلَتْ بِكَ وَشَكْوَتِهِ إِلَيْكَ رَغْبَةً مِنْنِي إِلَيْكَ عَمَّنْ سِوَاكَ فَفَرَجْتَهُ وَكَشَفْتَ فَأَنْتَ كُلِّ نِعْمَةٍ وَصَاحِبُ كُلِّ حَسَنَةٍ وَمَنْتَهَى كُلِّ رَغْبَةٍ

پروردگار! تو میرا واحد سہارا ہے، پروردگار! تیرے سوا میرا کوئی سہارا نہیں ہے۔ پروردگار! تجھی پر مجھ کو دوسرا کیا ہے۔ پروردگار! کتنی تکلیفیں کبھی کبھی ایسی پڑتی

میں کہ جن سے کبھی کبھی دل کمزور ہو جاتا ہے اور دشمن اس وقت رسوا کرنا چاہتا ہے اور دوست اس وقت ہنسی اڑاتا ہے کبھی کبھی ایسی گھڑیاں آتی ہیں اور جب ایسی گھڑی آئی تو میں نے بلا تاخیر تیری بارگاہ میں توجہ کی ہے، میں نے تجھ کو پکارا ہے۔ میں نے تیری طرف توجہ کی ہے، تو نے اس طرح سے ہر بلا کو مجھ سے ٹال دیا پروردگار! آج بھی میرے لیے سہارا بن جا۔ یہ صبح بدر کی دعا ہے۔ اور اسی کے تلاوت صبح عاشور حسین نے کی۔

روز عاشور حسین نے دو دعائیں کی ہیں۔ ایک دعا صبح عاشور اور ایک دعا سارے عزیزوں کے قتل ہونے کے بعد اور یہ دعا عجیب ہے۔ اس دعا کے کیے علماء نے لکھا ہے کہ اس دعا کو تیسری شعبان کی رات شب بولود پڑھا جائے۔

”اللَّهُمَّ أَنْتَ مُتَعَالِي الْمَكَانِ عَظِيمِ الْحَبَرِ وَتَشَدِيدِ الْمِحَالِ غَنِيٌّ عَنِ الْخَلَائِقِ غَرِيضُ الْكَبَرِ يَا قَادِرُ عَلَى مَا تَشَاءُ قَرِيبُ الرَّحْمَةِ وَشَكُورُ إِذَا شَكَرْتَ وَذَكُورُ إِذَا ذَكَرْتَ أَحْكَمُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا وَنَحْنُ عِشْرَتُكَ نَبِيِّكَ وَوَلَدُ حَبِيبِكَ مُحَمَّدٌ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الَّذِي اضْطَفَيْتَهُ بِالْبِسْطِ السَّالَةِ وَانْصَنَّتْهُ عَلَى وَحْيِكَ“

پروردگار! تیرا مکان بلند ہے، تیرے جبروت میں عظمت ہے۔ پروردگار! تو ہر ایک سے قریب ہے، اے مالک میرے! تو ہر آفت میں ہر مشکل میں امداد سہارا ہے۔ عرض کرتے ہیں بارگاہ رب العزت میں پروردگار! تیری ذات گرامی وہ ہے کہ جب تیرا کوئی ذکر کرتا ہے تو اس بدلہ میں تو خود ذکر ہو جاتا ہے۔ اور جب کوئی تیرا شکر ادا کرتا ہے تو اس کی قدر کرنے لگتا ہے۔ پروردگار! آج ہم میں اور اس قوم میں فیصلہ فرما، ہم تیرے نبی کی عترت ہیں۔ ہم اس کی اولاد

ہیں کہ جس کو تو نے امین بنایا تھا اپنی وحی اور رسالت پر۔
آپ نے دیکھا کہ شانِ دعا وہ ہو کہ جہاں رات کی تاریکی میں دل مفرد
رہے۔ مگر صرف ایک بات جب ہم دعا کریں تو یقیناً اس دعا کے ساتھ کوئی اور ایسا
واسطہ بھی رہے کہ دعا پھر رد نہ ہو سکے۔

چنانچہ بار بار عرض کیا گیا ج سے واپس ہوتے والے جب دریۂ منورہ
پہنچتے ہیں اور قسیر رسولؐ پر آتے ہیں تو سورۂ نساء کی اس آیت کی تلاوت کرتے ہیں
”وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ“
وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے اور وہ جب تیرے پاس آئیں
لے جیب، اور خدائے بخشش مانگیں ”وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوْجَدُوا
اللَّهُ تَوَّابًا رَحِيمًا“ اور اگر لے رسول! تم ان کے درمیان واسطہ بن جاؤ
یقیناً اللہ کو وہ لوگ بخشے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا
يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُخَلِّقُوا لَكَ فِيمَا شِئْتَ بَشَرًا مِّثْلَهُ ثُمَّ لَا يُجِدُوا فِي
أَنْفُسِهِمْ حَسْرًا جَاءُوكَ قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (نہ ۶۵)
اے محمد! تمہارے رب کی قسم یہ یوں کبھی نہیں ہو سکے جب تک کہ اپنے
معاملات میں تم کو واسطہ نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں بھی
تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں۔ سر بسر تسلیم کریں۔

اور سورۂ احزاب میں ارشاد ہوا:

”إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا“ (سورۂ احزاب آیت ۵۶)

یہ آیت درود ہے جو سورۂ احزاب میں موجود ہے تو درود اور دعا کو
واسطہ بنائے رہو تاکہ دعا رد نہ ہو سکے۔

یہی وہ منزل ہے کہ عبرت پہنچانی جاتی ہے اور اسی منزل پر پہنچ کر
فرزندِ رسولؐ نے طویل دعائیں کی ہیں۔ روزِ عاشورہ، مرزا دبیر نے وہ دعائیں نظم بھی کی ہیں
ایک مقام پر مختصر سی ایک دعا یہ ہے:
غم کا مجھ غم ہے نہ خوشی مجھ کو خوشی کی تو سر پہ ہے پروا نہیں بندے کو کسمی کی
ہاں ایک یہ حاجت ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کی سرنگے نہ دیکھوں میں نواہی کو غم سے کی
بے پروہ وہ جب ہو کہ میں بیہوش نہ رہوں

اور لیلِ تیری مرضی ہے تو باہر بھی نہیں ہوں

یہ شانِ دعا ہے یعنی نفسِ مطمئنہ آگے بڑھ رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ شام
غریباں کا اہتمام کر رہے ہیں اور مجھ سے بھی یہی توقع کر رہے ہیں کہ میں شام غریباں پر
گفتگو کروں لیکن شام ہونے سے پہلے کی روداد یہ ہے۔ حسینؑ ابنِ علیؑ عزیزوں کو خدا
حافظ کہہ کر انصار کے لاشے اٹھا کر جیب خیمے میں آئے اور ایک مرتبہ گھر کی حالت دیکھی
اللہ کسی گھر والے کو اس طرح سے گھر کا اڑنا نہ دکھائے۔ سب کے سب پریشان ہیں۔
سب کے سب حیران ہیں۔ عابد بیمار کے سر ہانے پہنچے سورۂ حمد کی تلاوت کی، بازو کو
تھام۔ عابد بیمار نے آنکھیں کھولیں اور مضطربانہ پوچھا:

بابا! آپ زخمی ہیں۔ کیا چچا جان مارے گئے؟

کہا۔ ہاں، بیٹا سب گھر کا گھر قتل ہو گیا بس اتنا کہنے کے لیے آیا ہوں

اب یہ گھر تمہارے حوالے ہے یہ کہہ کر تمہارے حوالے ہے۔ عابد بیمار اس گھر کا ذرا خیال رکھنا
خدا حافظ کہہ کے چلے تھے کہ عابد بیمار نے چاہا کہ کھڑے ہو جائیں۔

امامؑ نے فرمایا: میرے حق کی قسم لیٹ جاؤ۔ تم کو اجازت نہیں ہے۔

سُنیہ بند مرزا دبیر کے مرنے کا ہے جس کا مطلع ہے ”جب صغیر نے شیر گئے نہ لیں کہ“

باہر آئے اور آواز دی زینب و ام کلثوم رقیۃ اور سکینہ تم سب کو
حسین کا آخری سلام۔

اس کے بعد خیمے کا پردہ اٹھایا اور جناب زینب سے بھی رخصت ہوئے۔
اچانک ایک بچی نے دامن تمام لیا، ایسے موقع پر بچی نے کہا:
بابا جلتے ہو، جاؤ بابا، جاؤ بابا۔

میرا میں کہتے ہیں بچی نے کہا:

نیز آئے گی جب آپ کی بواؤں کی بابا

میں رات کو مقتل میں چل آؤں گی بابا

فسر مایا نکلتی نہیں سیدانیاں باہر چھاتی پر سلاٹیں گی تمہیں رات کو مادی
وہ کہتی تھی سوئیں گے کہاں پھر علی اصغر فرماتے تھے بس عندہ کرو صدقے میں تم پر
شب ہوئے گی اور دشت میں ہم سوئیں گے بی بی

اصغر میرے ساتھ آج وہیں سوئیں گے بی بی

وہ کہتی تھی بس دیکھ لیا آپ کا بھی پیار میں آپ سے بولوں گی نہ اب یا شہ ابراہ
اچانہ اگر کیجیے جلد آنے کا اقرار مر جائے گی اس شب کو ٹرپ کریدل افکار

کیسی ہیں یہ باتیں میرا دل روتا ہے بابا

گھر چھوڑ کے جنگل میں کوئی سوتا ہے بابا

اصغر کبھی ساتھ آپ کے ایک نہیں سوئے پہلا لیا اماں نے اگر چونک کے روئے
شفقت تھی مجھ پر کہ یہ بے چین نہ ہوئے یہ پیار جو جس پر اُسے یوں ہاتھ سے کھوئے

جیتے رہیں فرزند کہ سب لخت جب گریں

میں آپ کی بیٹی ہوں وہ اماں کے پسریں

اب کیا جواب دیتے ہیں حسین۔ ایک مرتبہ گفتگو کے سلسلے کو بدل کر کہا:

لو روؤ نہ اب صبر کرو باپ کو جانی کچھ دتی ہو عباس کو پیغام زبانی
اُدے ہیں اب لعل یہ ہے تشنہ دہانی ملتا ہے تو بی بی کیلے لاتے ہیں پانی

محبوب الہی کے نواسے ہیں سکینہ

ہم بھی تو کئی روز کے پیارے ہیں سکینہ

اب بچی چپ ہو گئی جب باپ نے پیاس کا تذکرہ کیا بچی چپ ہو گئی۔ حدیث
کے الفاظ بھی یہی ہیں کہ سکینہ! اب مجھے جانے دو، شاید میں تمہارے لیے پانی
لا سکوں۔ سکینہ یہیں ٹھہرو۔

حسین گئے عصر کا وقت آگیا کر بلا کے میدان میں شام ہو گئی حسین گئے اور
آفتاب ڈوبا، حسین گئے اور بچی نے ملاپچے کھائے، حسین گئے اور بچی کے گوشوائے
چھین لیے گئے، بچی انتظار میں رہی خیمے جل گئے۔ بی بیوں ک چادریں چھین لی گئیں بچی یہی
کہتی رہی، بابا نہیں آئے۔ بابا کہہ کے گئے تھے، بابا نہیں آئے۔

جناب زینب جلتے ہوئے خیموں سے بچوں کو نکال کر لائیں اور ایک مرتبہ سب
کو دیکھنا شروع کیا۔ گھبراہٹ کے کہا: ام کلثوم! سکینہ بی بی نہیں ہیں، ام کلثوم!
سکینہ بی بی نہیں ہیں۔ ام کلثوم! تم یہاں بیٹھو، میں ذرا جا کر دیکھ آؤں، شاید نہر پر
چچا کے پاس گئی ہو۔ نہر کے قریب گئیں، آواز دی عباس! وہاں سکینہ تو نہیں ہے
وہاں سکینہ تو نہیں آئی۔

کوئی جواب نہیں آیا۔ وہاں سے سیدھی مقتل میں آئیں۔ لاش حسین کے قریب آئیں، بھائی دہاں
سکینہ ہے؟ ایک مرتبہ ایک آواز پیدا ہوئی، زینب اہستہ بولو، میرے سینے پر سو رہی ہے۔ میرے
سینے پر سو رہی ہے۔ جناب زینب نزدیک پہنچیں، بی بی کا بازو تھام کر بلایا سکینہ بی بی جنگل میں
نہیں موئے۔ ایک مرتبہ آنکھیں کھول کر کہا: بھوپا اماں! میرے بابا اکیلے ہی میں نہیں آؤں
گی۔ زینب نے کہا چلو بی بی سکینہ گھر چلو سکینہ۔

سجده

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِن
ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِن ذُرِّيَّةِ
إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَٰئِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا
إِذَا تَنَسَّاهُمْ آيَاتُ الرَّحْمَنِ أَعْبَتْ وَاسْتَجَدَّ
وَبُكِّيَا • (سورہ مریم آیت ۵۸)

یہ سورہ مریم کی آیت ہے۔ اور ظاہری ترجمہ آیت کا یہ ہے

یہی وہ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا، انبیاء میں سے، اولادِ آدم میں سے
اور ان میں سے جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی پر) اٹھایا، اور ابراہیم و
اسرائیل (یعقوب) کی اولاد میں سے اور جن میں سے ہم نے ہدایت یافتہ بنائے
اور منتخب کیے، جب ان پر رحمن کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو خرو
سجود اَو بککيا، تو روتے روتے سجدے میں گر پڑتے ہیں۔
انبیاء کا شعار سجود، انبیاء کا طریقہ سجود، اولیا کی زندگی سجدہ محبت

کار از سجدہ، معرفت کی تلاش سجدہ اور پھر اس تذکرے کے ساتھ کہ جن پر ہم نے اپنی نعمتوں کو نازل کیا۔ انبیاء میں سے ان کا شعار ہی یہ ہے کہ رحمن کی آیتیں ان پر پڑھی جاتی ہیں تو وہ روتے روتے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔

تقاضائے رحمانیت سجدہ۔ جہاں جو عمل والے ہوں کہ وہ اپنے خوانِ کرم سے فرعون کو بھی سرفراز کرے اور موسیٰ کو بھی، ابراہیم کو بھی عطا کرے، غمزد کو بھی، اسحق خوانِ کرم پر دوست اور دشمن پرورش پائیں اور اس ہی کی رحمتوں سے موصد اور مشرک استفادہ کریں تو وہ رحمن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اے انسان اب تو سجدہ کر۔ یہ وہ منزل ہے کہ جہاں میں مختصر سی توجہ کا طالب ہوں

قرآن مجید میں لفظ سجدہ پچیس مقامات پر آیا ہے۔ اگر آپ قرآن مجید کی تلاوت کے دوران مسلسل دیکھتے ہوئے جائیں تو ایک مقام پر آپ کو یہ ارشاد بھی ملے گا سورہ رعد میں کہ: **وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلَالُهُم بِالْغُدُوِّ وَالْاَصَالِ** (سورہ رعد آیت ۱۵) اسی کو سجدہ کرتے ہیں زمین و آسمان میں جو بھی ہے ”مَنْ“ ذوی العقول کے لیے سے **وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اور ان کے اطفال کے سائے فقط یہی نہیں کہ جہاں آفتاب کسی چیز کو اپنے سامنے حائل دیکھ کر سایہ ڈال دے ان کے اثرات جہاں تک جائیں ان کا نفوذ جہاں جہاں تک جائے ان کا ظل بننے کی جو جو کوشش کرے وہ سب کے سب سجدہ کرتے ہیں ان کے اطفال بھی سب ہر کرتے ہیں ان کے سائے بھی سب ہر کرتے ہیں۔

اس کے بعد سورہ نحل میں ارشاد ہوا: **وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلٰئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ** (سورہ نحل آیت ۴۹)

یہ ”مَا“ غیر ذوی العقول کے لیے ہے۔ ”ہر وہ شے سجدہ کرتی ہے جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے وہ ذوی العقول ہو تو سجدہ کرے، غیر ذوی العقول ہو تو سجدہ کرے۔ کائنات کی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو سجدے کا انکار کرے۔ ایک ایک ذرہ مقامِ تسبیح پر ہے۔ **وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْبُحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا** (سورہ نجا اسرائیل آیت ۴۴)

کوئی شے ایسی نہیں ہے جو اپنے رب کی تسبیح نہ کرتی ہو، مگر یہی کہ تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔

”مَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا لَهُ لِسَانٌ لِّتَكُنِ التَّسْبِيحُ“
کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کی زبان ملکوتی نہ ہو جس سے تسبیح و تقدیس تسبیل و تحمید الہی نہ ہوتی ہو

ساری کائنات تسبیح کی منزل پر ہے اور تسبیح و تقدیس کا مکمل انتہائے بندگی، کچھ منازل کے بعد پہلی منزل جہاں توجہ ایک طرف ہو ”رُخِ حَاتِ“ ایک طرف ہو۔

”لِّكُلِّ وَجْهَةٌ هُوَ مَوْلٰیہَا“
ہر ایک کے لیے ایک رُخِ حیات ہے وہی اس کی طرف توجہ ہوتا ہے آپ کھڑے ہو گئے یہ قیام ہے۔

”وَجْهَتُ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“
(سورہ انعام آیت ۷۹)

توجہات کو اپنے خالق کی طرف معطوف کر رہا ہوں، آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے کی طرف مبذول کر رہا ہوں، اور یقیناً میرا قیام اسی لیے ہے۔

یہ ایک صورتِ بندگی ہے اور پھر رکوع، کہ جہاں یہ بھی پسند نہ ہوا۔
میں حالتِ قیام میں اپنی انا کو منواؤں یہ قیام بھی نہیں بلکہ رکوع ہے۔ اور اس کے
بعد تیسری منزل انتہائی منزلِ عبادت ہے کہ جہاں نہ قیام پسند ہے نہ رکوع،
اب سجدہ چاہیے، اب قلم کے ذات چاہیے۔ اب جس اپنی بقا نہیں کسی اور کی بقا منظور
ہے۔ سجدہ شرافتِ انسان، سجدہ کمالِ حیاتِ انسان، اب دل ٹرپے تو سجدہ کرے
نعمت ملے تو سجدہ کرے، ذرا سی کوئی اچھی بات ہو جائے تو سجدہ کرے۔ یہ سجدہ
کی حالت انسان کو کامران و کامیاب بنائے گی۔ نہ گھبراؤ سجدے سے نہ بھاگو
سجدے سے، منہ نہ پھیرو سجدے سے۔

حرمِ تیرا خودی غیر کی، معاذ اللہ دوبارہ زندہ نہ کر کار و بارِ لات و منات
وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات
اس طرح سے انسان ساری زندگی میں ان لمحات کی قدر کرے کہ جہاں
دل ٹرپ کے یہ چاہے کہ چلو سجدہ کرید یعنی یہ ضروری نہیں کہ وقت سجدہ آنے یہ ضروری
نہیں کہ وقتِ عبادت رہے۔ بھی ذرا سی نعمت ملی، سجدہ، ذرا سی خطا نظر آئی سجدہ
ذرا سی خوشی معلوم ہوئی سجدہ۔ نہیں ذرا سا غم آگیا سجدہ، ذرا سا اندوہ پیدا ہوا سجدہ
وہ غم و ہم میں اور خوشی و مسرت میں سجدے کی عادت، یہ انبیاء کا شعار ہے مگر اس
کے ساتھ قرآن نے کہا کہ یوں سجدہ نہیں کرتے، روتے روتے سجدے میں گر پڑتے
ہیں، تو روتا اور سجدے میں گرنا، یہ انبیاء کا شعار ہے۔

”وَإِذَا تَشَنَّى عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَنِ خَرَوْا سُجَّدًا ذُكِّيَا۔“

(سورہ مریم آیت ۵۸)

اور جب ان پر رحمن کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ روتے روتے چپٹ
میں گر پڑتے ہیں۔

سورہ فرقان قرآن مجید کا پچیسواں سورہ ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:
”وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا“ (فرقان آیت ۶۲)
اور رحمن کے بند زمین پر سرجھکا کر چلتے ہیں، وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ
قَالُوا سَلَامًا۔ (سورہ فرقان آیت ۶۳) اور جب کوئی جاہل ان سے
خطاب کرتا ہے تو کہتے ہیں تم سلامت رہو، تم اچھے رہو۔
یعنی ان کی باتوں میں یہ سٹھاس ہے۔

”وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا“ (فرقان آیت ۶۴)
(اور وہ جو اپنے رب کے لیے سجدے و قیام میں راتیں بسر کرتے ہیں۔)

رحمن کا بندہ ہی سجدہ کرتا ہے۔ وہ سجدہ کہ جہاں انسان کبھی کبھی انتہائی
کفر کے باوجود انتہائی عدوان کے باوجود ایک منزل محسوس کرتا ہے کہ کوئی ہے میرا
پیدا کرنے والا، کوئی ہے میرا خالق، اور سجدہ، سجدہ بے اختیار۔ فرعون نے موسیٰ
سے بحث کی۔ ”وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ“
(رب العالمین کیا چیز ہے؟)

موسیٰ نے بتلایا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ
كُنُودًا فَتُونَ۔ (سورہ شورا ۲۴)

(اگر تم یقین کرو تو (سنو!) وہ رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان
دونوں کے درمیان ہے)

فرعون نے اپنے دربار والوں سے کہا: سنئے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟
بے اختیار (فرعون) موسیٰ نے کہا۔ ”رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ
الْأَوَّلِينَ“ (فرقان آیت ۶۵) (جو تمہارا رب ہے اور تمہارے پہلے
باپ دادا کا رب ہے۔)

اہل دربار نے کہا کہ یہ تو مجنون ہو گیا ہے۔
مگر موسیٰ رکتے نہیں ہیں رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا
بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ (سورہ شعرا آیت ۲۸)
وہ مشرق کا بھی رب ہے اور مغرب کا بھی رب ہے اگر تم یقین کرو
اُس نے کہا کہ ہم تم کو سزا دیں گے اور تجویز قرار پائی کہ جادو گروں کو
بلا یا جائے تاکہ وہ اپنے سحر سے موسیٰ کو شکست دیں۔ جادوگر جمع ہوئے
فَأُلْقِيَ مُوسَىٰ عَصَاهُ
پس موسیٰ نے اپنے عصا کو پھینک دیا۔
اور جیسے جیسے ان جادو گروں کی رسیاں سانپ بنتی جا رہی تھیں موسیٰ کا عصا ان سب
کو نگلنا جا رہا تھا۔

اس کیفیت کو دیکھ کر "فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سِجِّدِينَ"۔
پس جادوگر سجدے میں گر پڑے (سورہ شعرا ۴۲)
اور بے اختیار کہا "أَمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ" (شعرا ۴۷)
ہم عالمین کے رب پر ایمان لائے کون عالمین کا رب۔
نسبت بھی چاہیے تھی۔ کہا "رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ" (شعرا ۴۸)
ہم موسیٰ و ہارون کے رب پر ایمان لائے۔
فرعون نے بگڑ کر کہا کہ "أَمِنْتُكُمْ لَمْ قَبْلَ أَنْ أَدْنِ لَكُمْ"
تم میری اجازت کے بغیر ایمان لائے ہو (شعرا ۴۹)
وَلَا قُطِيعَتٌ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلُكُمْ مِنْ خِلَافٍ (شعرا ۴۹)
یقیناً اب میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مختلف سمتوں سے کاٹوں گا یعنی
سیدھا ہاتھ بائیں پاؤں اور بائیں ہاتھ سیدھا پاؤں۔ وَلَا وَصَلَتُكُمْ أَيْدِيكُمْ

اور تم سب کو صلیب (سولی) پر لٹکا دوں گا
چونکہ وہ سجدہ کر چکے تھے اور سجدے کی طاقت یہ تھی کہ بے اختیار
کہنے لگے "لَا ضَيْرَ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ" (سورہ شعرا ۵۰)
اب ہم کو ڈر نہیں، ہم اپنے رب کی طرف منقلب ہونے والے ہیں
یہ سجدے کی طاقت تھی کہ جو پیشانی سجدے میں جھک پڑتی ہے
وہ غیر حق سے اور غیر معبود سے پھر کسی منزل پر اپنی عاجزی یا اپنی تواضع کا اظہار
نہیں کرتی، بلکہ اس میں ایک ایسی قوت آتی ہے جو فرعون کی ساری سزاؤں کے
اعلان کے بعد بھی اُس کے جادوگر کہتے ہیں کہ ہم تو منقلب ہو گئے۔
سجدہ بدل دیتا ہے ہستی کو، سجدہ بدل دیتا ہے فطرت کو۔ سجدہ
منقلب کر دیتا ہے سجدہ انبیاء کے گروہ نے کیا، سجدہ ادویاء کے گروہ نے کیا، سجدہ انھوں نے کیا جنھوں
رحمن کو رخصت مانا۔

پھر اس منزل پر پیغمبر کو سورہ شعرا میں حکم ہے کہ تَوَكَّلْ عَلَى
الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ • الَّذِي يَوَّاك حِينَ تَقُومُ • وَتَقْلِبُكَ
فِي السَّجْدِ • (سورہ شعرا آیت ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹)
تو اپنے رب پر بھروسہ کر کہ جو تجھے قیام کی حالت میں دیکھتا ہے، جہاں بھی تو کھڑا ہوتا
ہے، جب تو بیل بدل کر سجدہ کرنے لگتا ہے۔

اس کی تفسیر امام فخر الدین رازی نے کی کہ تَقْلِبُكَ فِي السَّجْدِ
کہ تو ساجدین میں کروٹیں لے رہا تھا۔

تو انھوں نے کہا کہ آبار پیغمبر ہیں یہ اجداد پیغمبر ہیں جو سب کے سب سجدہ
کرنے والے تھے جو سب کے سب رحمن کو رخصت مانتے تھے جو سب سے سب
رب العالمین کو رب العالمین جاننے والے تھے پیغمبر کے آبار و اجداد ساجدین میں تھے

اور وہ جن کو پیغمبر نے ادب سکھایا، اُن کا یہ عالم ہے کہ جب قرآن نے ان کا قصیدہ شروع کیا تو آواز دی "إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةَ" (سورہ توبہ آیت ۱۱۱)

اللہ نے صاحبانِ ایمان سے ان کے نفوس کو اور ان کے اموال

کو خرید لیا ہے یہ کہہ کر کہ ابدی نعمتیں (جنت) دیں گے

"يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ"

اللہ کی راہ میں قتل کرتے ہیں قتال کرتے ہیں اور قتل ہو جاتے ہیں

"وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا فِي النَّارِ وَالْجَنَّةِ وَالْقُرْآنِ"

یہ وعدہ حق ہے۔ قرآن میں اور انجیل میں اور تورات میں

"وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ" اور اللہ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کون

"فَأَسْتَبْشِرُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ" وَذَلِكَ هُوَ

الْفَوْزُ الْعَظِيمُ • (توبہ آیت ۱۱۱)

اور سنو! یہ تمہارے لیے فوزِ عظیم ہے اس سورہ پر ناز کرو

کون ہی قتل ہونے والے یہ قتل کرنے والے نفسوں کو بیچنے والے یہ کون ہیں :

"الْمُتَّحِدُونَ الْعَبِيدُونَ الْحَمِيدُونَ الشَّاهِدُونَ الرَّكَعُونَ

السَّجِدُونَ" یہ توبہ کرنے والے، یہ روزہ رکھنے والے عبادت گزار، یہ حمد

کرنے والے، یہ سجدہ کرنے والے :

"الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ

لِحُدُودِ اللَّهِ" وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ • (سورہ توبہ آیت ۱۱۲)

یہ حکم دیتے والے نیکوں کے، منکر (برائیوں) سے روکنے والے، یہ حدودِ الہی کی حفاظت

کرنے والے ہیں، ان صاحبانِ ایمان کو خوشخبری دے دو۔

آپ نے دیکھا کہ یہاں بھی سجدے کی منزل تائین کے بعد ہے،

عابدین کے بعد ہے، حامدین کے بعد ہے، سائین کے بعد ہے، راکعین کے بعد

ہے، آخری منزل عملِ ساجدوں ہے۔

سجدہ انتہائے بندگی، سجدہ خلاصہ بندگی ہے، سجدہ انتہائے زندگی

اور سجدہ وہ کہ جہاں انسان اگر صحیح معنی میں یہ لے کر لے کہ ہم اپنے رہنے کے مقامات

میں ایک ایسی مخصوص جگہ بنائیں گے، جہاں ہر حال، اور ہر لحظہ، جب دل چاہے ایک

سجدہ بے اختیار (بلا تامل) ہو جائے۔ دعا کی، اور کچھ پڑھنے کی اور بیچ پڑھنے

کی اور بیچ کو بتلانے کی چننا ضرورت نہیں ہے۔ سجدہ ہو، دل ٹرپ جائے کہ خالق!

تیرا شکر ہے کہ سجدے کا موقع ملا، سجدے کی حقیقت کو جانو، سجدے کو سمجھو، تاکہ

دل بے چین ہو، دل میں اضطراب کی کیفیت ہو، اور انسان چاہے کہ یہ پیشانی خاک پر

رکھ دی جائے۔ ممکن ہے کہ دنیا اس کو دیوانہ ہی سمجھے کہ یہ بار بار سجدہ کرتا ہے۔ مگر

ان کو کیا معلوم کہ ساجدین کا سردار کون ہے؟ کیا معلوم کہ عابدین کا سردار کون ہے؟

ان کو کیا معلوم کہ سجدہ کرنا کتنی بڑی نعمت ہے۔ مقام رکوع غفلتِ الہی کا تصور ہے

مقام سجود، علوِ الہی کا تصور ہے، وہاں سبحان ربی العظیم کہہ کے آگے

بڑھ گئے، یہاں سبحان ربی الاعلیٰ کہہ کر سر رکھ دیا۔ علو ہے علو ہے۔ مالک

تیرے لیے علو ہے اور میری پستی کو تو جانتا ہے اور اس طرح مقامِ تضرع میں جب

کسی نے سجدہ کیا تو پھر اس کی حقیقت نہ پوچھو۔

آپ کو معلوم ہے کہ پہلا جھکنا تو اس سجدہ کا ہوا تھا نا، اور پھر رسول کو

یہ کہنا پڑا کہ مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلِكِ إِلَّا عَلَيَّ إِذْ يَخْتَضِعُونَ

(سورہ صافات) میں نہیں جانتا تھا کہ ملائکہ اعلیٰ میں کیا سرگامہ تھا۔ مجھے وحی آئی کہ

مِنْ رُّوحِي فَتَقُوَالِ سَجْدِيْنَ • (سورہ ص ۱۲)

میں ایک بشر کو مٹی سے بنا رہا ہوں اور جب میں اس میں اپنی روح ڈال دوں تو تم سب کے سب اس کے سامنے سجدے میں گر جانا

”فَسَجِدْ لِلْمَلٰٓئِكَةِ كُلُّهُمْ اٰجَمْعُوْنَ ۝ اِلَّا ابْلِیْسَ“

(سورہ ص آیت ۳-۴)

تمام ملائکہ نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے سجدہ نہیں کیا

آغازِ حیات ہی سے انسان کا جھگڑا ہے۔ اُس نے سجدہ نہیں کیا اور جب

اس سے پوچھا گیا کہ: ”مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیْدَیَّ“

(سورہ ص ۷۵)

کس چیز نے تجھ کو اس کعبہ سے منع کیا۔ میں نے اس کو اپنی قدرتِ کاملہ سے بنایا (خلق کیا) تھا۔

اُس نے یہ جواب نہیں دیا کہ تجھ کو ایک مان کر دوسرے کو سجدہ کیے کروں۔ بلکہ اُس نے جواب دیا کہ خَلَقْتَنیْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِیْنٍ ”مجھے تو نے آگ سے خلق کیا ہے اور اس کو مٹی سے“ (سورہ ص ۷۶)

میں نے اپنے آپ کو اس سے بہتر جان کر سجدہ نہیں کیا۔

آواز آئی: ”فَاخْرِجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ“ (ص آیت ۷۷)

نکل جا یہاں سے کہ بلاشبہ تو رائےء بارگاہ ہے

سجدے کے بارے میں یہ جھگڑا تھا۔ اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی چلا گیا۔

بتلانا یہ تھا کہ ایک منزلِ احترام ہے کہ جہاں ہم یہ چلتے ہیں کہ جہاں

جس کسی کے احترام کو ظاہر کرے، دنیا کی پیشانیوں کو وہاں خم کر دے۔ اور ظاہر ہے کہ ہم نے حکم دیا تھا سجدے کا کسی اور نے نہیں دیا تھا۔ ہم چلتے تھے سجدہ۔

اس طرح سے یہ جھگڑا درِ اول ہی سے چلا آرہا ہے۔ اور پھر ایک ایک نبی کا پیشہ کار بن گیا کہ ہم سجدے سے کبھی روگردانی نہیں کریں گے۔ کبھی نہیں بیٹیں گے۔ سجدہ کرنے والوں کو ہم نے دیکھا سجدہ کرنے والی کیفیتوں سے ہم دوچار ہوئے۔ بہر حال ہم اس منزل پر آگئے جہاں اقبال کہتے ہیں:

اُنکہ زیر تیغ گوید لا اِلٰه

اُنکہ از خوشش بروید لا اِلٰه

وہ جو تیغ کے نیچے لا اِلٰہ کہے اور وہ جس کے خون سے لا اِلٰہ نمونے لا اِلٰہ کا نمونہ اس کے خون سے ہو۔

پھر کہتے ہیں: اُنکہ بخشد بے یقیناں را یقین

اُنکہ لرزد از بجز او زین

وہ بے یقینوں کو یقین دینے والا ہے وہ جس کے سجدے سے زمین کانپ گئی۔۔۔ یہ تقی میر نے دفترِ چارم میں کس شان سے گفتگو کی ہے کہا کہ:

شیخ پڑے محرابِ حرم میں پہروں دو گانہ پڑھتے ہیں

سجدہ ایک اُس تیغ تلے کا ان سے ہو تو سلام کریں

تو یہ ہے وہ سجدے کا مقام جہاں صحیح معنی میں بندگی کا ادب سکھایا گیا۔ جہاں یہ بتلایا گیا رازِ عبادت کیلئے۔

بہر حال اگر ذہن میں رہے اور پیغام کی حفاظت کی جائے تو ٹرپ کر ایک ہی سجدہ حالتِ اضطراب میں کر لیا جائے۔ صرف ایک سجدہ۔

پہلی آسانی وحی: اِقْسَأْ بِاَسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ: اور آخری

آیت سجدہ اس سورے کی جس پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے جہاں کہا گیا کہ یہ انسان باغی ہو گیا ہے: كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِۦٓ اِغْیٰٓی ۝ اَنْ رَّآهُ اسْتَعْیٰ ۝

حسین ابن علی پشتِ ذوالجناح پر جھک رہے تھے۔ دو ہاتھ کپتے ہوئے نکلے زمین سے۔ ایسے میں حسین ابن علی زمین پر آئے۔ اور آتے ہی وعدہ طفلی یاد آیا۔ انبیاء کی سیرت تھی۔ وہ وارثِ آدم تھے۔ وارثِ نوح و ابراہیم تھے۔ وہ وارثِ موسیٰ و عیسیٰ تھے، وہ وارثِ محمد تھے، وہ وارثِ علی تھے۔ گرتے ہی سجدہ کیا۔ یہی سجدہ ہے جسے اقبال نے بھی ذکر کیا۔ یہی سجدہ ہے جسے سارے شعرا نے بھی ذکر کیا۔ یہی سجدہ ہے کہ جلتی ریت پر پیشانی کو رکھ کر آواز دی "رَضًا بِقَضَائِهِ وَتَسْلِيمًا لِأَمْرِهِ"۔ میں تیری قضا پر راضی ہوں اور تیرے امر کو تسلیم کرتا ہوں۔ وَصَبْرًا عَلَى بَلَاءٍ ثَلَاثٍ اور تیرے امتحان پر صبر کرتا ہوں۔ لَا مَعْبُودَ سِوَاكَ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ يَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيثِينَ۔ اور آخر میں سجدے میں ایک دعا کی اور عجیب دعا کی کہ: پروردگار! میں نے اپنے وعدے کو پورا کیا۔ اب تو اپنے وعدے کو پورا کر۔"

سجدہ ختم ہوا۔ سر نہیں اٹھایا گیا۔ کربلا کے میدان میں شام ہوئی، بائیں شامِ غربیاں ایسے موقع پر بہن بھی آئیں، بھائی کو سلام کیا۔ رخصت ہو گئیں، مگر سکینہ! کہہ چکی تھیں کہ۔ میں رات کو مقتل میں چلی آؤں گی بابا

جب خیمے چل چکے تو زینب نے بچوں کو گنا شروع کیا۔ تو دیکھا کہ سکینہ نہیں ہے۔ ایک مرتبہ جلے ہوئے خیموں میں ڈھونڈتی رہی۔ عابد بیمار سے پوچھا ام کلثوم سے پوچھا۔ ایک ایک بی بی سے پوچھا سکینہ تو نہیں ہے۔

کسی نے جواب نہیں دیا۔ ہر طرف آواز دی۔ ہر طرف ڈھونڈتے ہوئے پھریں۔ جب کہیں سے کوئی جواب نہ آیا، تو دریا کی طرف گئیں، آواز دی۔ عباس! سکینہ نہیں ہے۔

کوئی جواب نہیں آیا۔ جلدی جلدی قتل گاہ میں آئیں، کہا۔ بھائی! کیا

سکینہ یہاں آئی ہے؟

آواز آئی، زینب! آہستہ بولو، سکینہ ابھی ابھی سوئی ہے۔ سکینہ سینے پر سو رہی ہے۔

زینب نے جا کر سکینہ کا بازو تھاما اور کہا۔ اٹھو سکینہ اس طرح سے راتوں کو کوئی گھسہ چھوڑ کر نہیں جاتا۔

کہا۔ چھوٹی اماں! میرے بابا بھی تو اکیلے سو رہے ہیں، ان کو تنہا نہیں چھوڑوں گی۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ •

یقین

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ
وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ

(سورۃ الحجرات آیت ۹۸-۹۹)

سورۃ حجر کلام مجید کا پندرہواں سورہ ہے۔ یہ سورے کی آخری آیتیں ہیں اور آخری آیت کا آخری لفظ میرا موضوع ہے یعنی "یقین"۔ عبادت کا کمال سجدہ ہے اور سجدہ اس طرح سے مسلسل رہے، اس طرح سے باخلوص رہے اور عبادت کی اس طرح سے روح بن جائے ارشاد ہوتا ہے "تک عبادت کر اپنے رب کی" یہاں تک کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے۔

پھر ذہن میں رکھیے "اپنے رب کے نام کی تسبیح کر" اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ اور اپنے رب کی اتنی اطاعت کرو اتنی عبادت کرو کہ تجھے یقین آجائے۔ یقین کی منزل علم کا وہ کمال ہے جہاں غیب، شہود سے بدل جائے۔

جہاں غیب، غیب نہ رہے حضور بن جائے، اب اگر علم یہ مشاہدہ دنیا میں عطا کر دے تو وہ یقین اور اگر موت اس مشاہدہ کو مہیا کرے تو وہ موت یقین ہے اس لیے تفسیر میں یقین کے دونوں معنی لیے گئے ہیں۔ کہ اتنی عبادت کر کہ علم مشاہدہ کی منزل پر آجائے یا موت آجائے۔ اس لیے کہ موت قفس کے دروازے کو کھول دیتی ہے، روح کو آزاد کر دیتی ہے، ماورائے حجاب اشیاء کو سامنے لاتی ہے اور انسان کو ہر شے سے آگاہ کر دیتی ہے جس سے وہ یہاں بے خبر تھا۔

اتنی عبادت کر کہ یقین آجائے۔ یقین بڑی دولت ہے۔ یعنی اگر یقین کو سمجھنا ہو، تو منہ کو کھجھو، کہ شک کیلے۔ عنوان کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ کتاب الہی قانون ربانی، کہ جو ہمارے لیے قیامت تک دستور حیات ہے۔ وہ اس طرح سے شروع نہیں ہوتا، کہ یہ رحمت کی کتاب ہے۔ یا یہ علم کی کتاب ہے یہ معرفت کی کتاب ہے، یہ حکمت کی کتاب ہے، بلکہ شروع کیا جاتا ہے اس کتاب کو اس طرح سے "ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ" یہ وہ کتاب ہے جس میں شک نہیں ہے۔ ریب نہیں ہے۔

آپ نے دیکھا اس کی اہمیت کو۔ ۹ اور عجیب بات یہ ہے کہ قرآن کا یہ دوسرا سورہ، سورہ بقرہ جو سورہ حمد کے بعد ہی شروع ہوتا ہے اس کا جو ابتدائی حصہ ہے وہ صاحبان ایمان کی تعریف میں ہے۔ اس کے بعد کافروں کے تعریف ہے، اس کے بعد ان لوگوں کی تعریف ہے جو کبھی کفار کے پاس جاتے ہیں، کبھی مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کبھی ان کی باتیں سنیں، کبھی ان کی باتیں سنیں۔ تو نوع انسانی کی تقسیم کی گئی ہے۔ آغاز قرآن میں، مگر جب مومنین کا تذکرہ کیا اور کہا:

"لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ

بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝
وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ
مِّن قَبْلِكَ ۚ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝

یہی لوگ ہیں جن کے لیے یہ کتاب ہدایت بن کر آئی ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز کا قیام ان کا فریضہ ہے اور پھر جو کچھ رزق ہم نے دیا ہے اس میں اتنا ان کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں، جو کچھ نازل ہوا تجھ سے قبل ہم نے نازل کیا۔ اور اب آیت یہاں پر ختم ہوئی۔ و بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ۔ انجام عمل پر، انجام کار پر، آخرت پر، نتیجہ پر، انتہا پر نظر نہیں یقین ہے۔ اب آپ نے دیکھا کہ کلام بانی کا آغاز ہی یہ ہے کہ شک نہیں، اس کتاب پر، اور ایمان کا کمال یہ ہے کہ یقین کی منزل پر پہنچے تو سجدے کے بعد جو منزل حاصل ہوئی ہے۔ وہ بجز یقین کچھ نہیں۔ اب اس طرح سے آپ ملاحظہ فرمائیں گے تو قرآن کریم میں مختلف مقامات پر یقین سے گفتگو کی گئی ہے۔ کہیں عین یقین پر گفتگو ہے۔ کسی مقام پر یہ بتلایا کہ کس طرح سے انسان منازل یقین کو طے کرتا ہے۔

مختصر سے وقت میں ایک ذرا سا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ قرآن کو میان سے ملا کر قرآن نے ۲۸ مقامات پر یقین پر گفتگو کی ہے۔ اور اس طرح سے کلام معصوم نے جو صراحت کی میں اس کو بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔

ارشاد فرماتے ہیں، سنو! وہ یہ ہے! کہ: علم اور یقین یہ بڑی دولتیں ہیں۔ اور اس طرح کی دولتیں یہ کہ: إِذَا عَلِمْتُمْ فَاعْمَلُوا (اگر علم ہے تو عمل کرو) وَ إِذَا تَقَيَّسْتُمْ إِقْدَامُوا (اگر یقین ہے تو اقدام کرو) یہ علم اور یقین کی منزل ہے۔ "لَا تَجْعَلُوا عِلْمَكُمْ جَهْلًا وَيَقِينَكُمْ شَكًّا" خبردار! اپنے علم کو جہل ہے نہ بدلو، اور اپنے یقین کو شک میں تبدیل نہ کرو

علم اپنی منزل پر رہے۔ علم کی ضد شک نہیں۔ علم کی ضد جہل ہے یقین کی ضد شک ہے، اور جہاں شک آجائے اور شک پر شک آئے اور مسلسل شک آئے تو پھر وہ بیماری ہے۔ دل کی بیماری ہے، روح کی بیماری ہے۔ جسم کی چھ حالتیں ہیں: جسم خوابیدہ ہے یا بیدار، جسم مردہ ہے یا زندہ جسم صحت مند ہے یا بیمار۔

بالکل اسی طرح روح کی چھ حالتیں ہیں: روح کی زندگی علم ہے۔ روح کی موت جہل ہے، روح کے لیے نیند غفلت ہے۔ روح کے لیے بیداری انتباہ ہے۔ تنبیہ کرتے جانا ہے کہ ہاں ہوشیار۔ اور روح کی بیماری تنگ ہے، روح کی صحت یقین ہے صحت روح یقین، اور جب انسان کو یہ دولت مل جاتی ہے تو روح اپنی صحت کے ساتھ قلب کی بیماریوں کو دور کر کے، اپنے آپ کو معرفت کی راہوں میں پاتا ہے ارشاد فرمایا کہ ایمان کے لیے لازم ہے کہ صبر و یقین، عدل و جہاد۔ یقین کی چار حالتیں۔ ایک تبصرة الفطنۃ، یعنی زیرکی میں ڈوبا ہوا، عقلندی ہی عقلندی ہو یقین کی پہلی حالت۔ دوسری حالت تَأْوِلُ الْحُكْمَ۔ جب عقلندی میں ڈوب جائے تو حکمت کے موتی لگے۔ تیسری حالت تبصرة الموعظة، کہ برابر دنیا کو دیکھتا جائے اور عبرت حاصل کرتا جائے۔ صاحب یقین عبرت حاصل کرتا جائے۔ چوتھی حالت ماضیتین جانے والوں پر نظر رہے کہ اُن کے یقین کا کیا عالم ہے۔ اس لیے کہ ہمارا مستقبل ہمارے ماضی سے کٹا ہوا نہیں ہے۔ ماضی سے کٹ کے جی نہیں سکتے ہیں۔ ہم اپنے یقین کو اسی یقین سے ملانا چاہتے ہیں۔

”اگر حجاب لمبے آسمانی میری آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیے جائیں تو یقین کی منزل سے ہم نہیں گئے ہی نہیں۔ جو یقین میرا اس وقت ہے اُس سے آگے نہیں بڑھے گا۔ تو یہ ہے ماضیتین کا تذکرہ۔“

بچے کو وصیت کی یعنی امام حسن علیہ السلام کو صغیرین سے واپسی پر وصیت نامہ لکھا، اس میں ارشاد فرماتے ہیں۔

”بیٹا! اپنے دل کی زندگی چاہتے ہو تو ہمیشہ اس دل کو نصیحت کرتے رہو اور زندگی باتیں سنا کر وہ اسے گوشہ نشین رکھو۔ اس کو کسی ایک مقام پر رکھو نہ رہنے دو۔ دل کو نور حکمت دو اور اس کو یقین سے قوت عطا کرو۔ دیکھا آپ نے! دل کی قوت یقین ہے۔ روح کی صحت یقین ہے۔ علم کا کمال یقین ہے۔ غیب کو شہود میں بدلنا یقین ہی سے ممکن ہے اور یہ اس طرح سے نہیں آتا کہ انسان فلسفیانہ افکار میں اپنے آپ کو مبتلا کر کے یقین کو ڈھونڈے نہیں۔ یہ یقین آتا ہے کہ اپنے رب کی اتنی عبادت کر کہ یقین آجائے۔ اگر تھوڑی سی توجہ اور دی جائے اس بیان پر توارشاد ہوا:

”علم و معرفت الہی کا مدار کچھ مسائل پر ہے۔ عارفوں کی باتیں عارفوں کی زندگی میں اصولوں پر قائم ہے۔ یا خوف پر یا امید پر یا محبت پر۔“

عارفوں کی باتوں کی بنیادیں تین امور پر ہیں: یا خوف ہے یا امید یا محبت ہے۔

پھر ارشاد فرمایا، خوف نہیں پیدا ہوتا جب تک کہ علم نہ ہو۔ اس لیے قرآن نے کہہ دیا۔ ”اللہ سے ڈرنے والے وہی ہیں جو صاحبانِ علم ہیں“ خوف ضروری ہے انسان کے دل میں، ”اللہ کے لیے یہ خوف ہو۔ اور خوف پیدا نہیں ہوتا جب تک کہ علم نہ ہو۔“

اور اس کے بعد ارشاد ہوا۔ ”امید نبی کیسے ہے؟“ اگر یقین نہ ہو تو کوئی امید نہ باندھے جس کی ذات میں یقین ہوتا ہے اسی سے امیدیں بھی

دالستہ ہوتی ہیں، جس کی ذات پر یقین نہیں ہوتا اُس سے اُمیدیں وابستہ نہیں ہوتیں۔
اس لیے کہ لازمہ ہے اُمید کا طلب اور طلب کسی ایسے سے نہ ہو کہ جو خالی ہاتھ لوٹا دے۔
اس مقام پر شاقب لکھنوی مرحوم نے کہا تھا۔

فے صدائے دل مگر نقش قدم کو دیکھ کر

ایسے بھی درہیں کبھی جن پر کوئی سائل نہ تھا

تو اُمید وہیں ہے کہ جہاں انسان اپنی طلب کے لیے آگے بڑھے اور
طلب اسی وقت ممکن ہے کہ جہاں انسان کو یقین آجائے کہ جس سے مانگ رہا ہوں اُس
میں صلاحیت بھی ہے۔

اس لیے فرمایا کہ ”اپنے رب کی عبادت کر، رب سے بڑھ کر کون ہے؟“
یہاں تک کہ تجھے یقین آجائے، تاکہ رجا مجبورِ حقیقی سے ہو۔ طلب اُسی کی بارگاہ سے ہو۔
سو آپ نے دیکھا، یہ خوف ہے، یہ رجا ہے کہ جہاں انسان اپنے آپ
کو عارفین میں شامل کرتا ہے۔

تیسری منزل، خوفِ فرعِ علم ہے، رجا، فرعِ یقین ہے، محبت
فرعِ معرفت ہے۔ معرفت نہیں تو محبت نہیں۔ یقین نہیں تو اُمید نہیں، علم نہیں تو
خوفِ خدا نہیں۔

تو یہ منزل ہے یقین کی کہ جہاں انسان اپنے آپ کو ایک ایسی راہ پر
پاتلے ہے کہ جہاں اگر یہ یقین مٹ جائے تو پھر سامنا ہے شک کا اور شک کی حالت یہ
ہے کہ اس میں تماری ہے، تردد ہے، ہول ہے، فرار ہے۔ یہ چار باتیں۔

تماری، یعنی بیکار بے موقع، بے محل گفت و شنید۔ شک اگر ہے
تو بات یہی باتیں ہیں۔ دوسرے، اگر شک ہے تو ہر آن ہول ہے۔

دیکھیے! وہاں لفظ خوف، استعمال کیا، یہاں لفظ ہول استعمال

کیا۔ خوف کچھ اور ہے، ہول کچھ اور ہے۔ محبت کی منزل پر خوف ہے اور جہاں
انسان اپنی جان کی حفاظت کے لیے دن رات پریشان ہو، وہ ہول ہے خوف نہیں۔
ہول سے تماری ہے اس کا لازمی نتیجہ تردد ہے۔ آگے بڑھوں، نہ بڑھوں۔ پیچھے ہٹوں
کہاں جاؤں؟ جہاں شک پیدا ہوا، تردد پیدا ہوا۔ جہاں تردد آیا نتیجہ یہ کہ حق کی
راہ میں آگے بڑھنا ممکن نہیں بجز فرار کے، جہاں فرار پاؤ تو سمجھو کہ یقین مٹ گیا۔
جہاں حق سے فرار ہے سمجھو کہ یقین نہیں ہے۔

آپ نے جب ان منازل کو طے کیا تو یقیناً آپ کو علم ہو چکا ہو گا کہ انبیاء
کو اللہ نے یقین کی دولت عطا کی اور اس منزل پر جو قابل ذکر دولت ہے جس کو
قرآن مجید نے بہت ہی خاص انداز میں بیان کیا ہے:

”وہم نے ابراہیم کو زمین و آسمان کا ہولہ hold بتلایا، کنٹرول بتلادیا، ارتباط
بتلادیا، کائنات کا تعلق باہمی بتلایا اور یہ بتلایا کہ اس کا ارتباط و اقتدار کس کے
ہاتھ میں ہے۔ فقط اس لیے کہ ابراہیم کے دل میں یقین پیدا ہو۔ نبی اول العزم، شیخ
الانبیاء، صاحب شریعت، خلعت و ورع، نبوت و رسالت و امامت کی منزل پر
فائز ہیں جن کے لیے خطاب ان کے لیے ارشاد ہوا:

”ہم نے ابراہیم کو آسمان و زمین کے ملکوت دکھادیئے تاکہ وہ یقین کی منزل پر آجائے یہاں یقین
موت نہیں ہے۔ بلکہ قلب ابراہیم میں وہ محبت و فرح پیدا ہو جائے کہ اندازہ ہو سب کا مالک تو وہی ہے۔
اب اگر غرور یہ کہے کہ بہت بڑا مکان بناؤ، چہار دیواری بناؤ۔ اس
میں آگ بھردو، اس کو آگ میں ڈال دو۔ تو یقین ابراہیم منزلِ نزل نہیں ہوتا جس کو یقین
ہوتا ہے وہی آگ میں جا کر محفوظ رہ سکتا ہے۔

غرور نے حکم دیا۔ اس کو آگ میں ڈال دو۔

اور پھر یہاں یقین کا یہ عالم کہ جہاں یہ کہا گیا کہ حقیقت میں یقین جاتی قلیل

آتش نشین ہے کہ وہ روح خلیل ہے آگ میں بیٹھنے والا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ میرے ملکوتِ سماوات والارض کو دیکھا ہے۔

آگ اُس نے جلائی ہے کنڈول اُس کا ہے ہولہ اس کا ہے آواز اُس سے آتی ہے۔ تو یقین مثل خلیل آتش نشین ہے۔ اور یقین مثل خلیل آتش نشین یقین اللہ مستی، خود گزینی، ایک کیف ہے، ایک مستی ہے، ایک سرور ہے یقین جس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس کو اللہ نے یہ دولت دی ہے۔

”سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار!“ غلامی سے ہے بدتر بے یقینی ظاہر ہے کہ وہ کون سلمان ہے جس نے صبح سے شام تک ایک آدمی کسی سے یہ نہ سنا ہو اور جس کو یہ آواز نہ پہنچائی جاتی ہو اقبال کے ”یقین محکم، عمل پیہم، محبت فایح عالم“

یقین محکم نہ ہو تو عمل کس کام کا، اسی منزل یقین پر جب ابراہیم کو وہ کما عطا ہوا کہ آگ کی طرف چلے اور ملکوتِ سماوات والارض کو دیکھ کر اس کا یقین کر لیا کہا جبریل ہٹ جاؤ، میرا خالق تم سے بہتر جانتا ہے کہ وہ کب میری مدد کرے۔ رب نے حکم دیا، اے آگ ٹھنڈی ہو جا۔ سلامت رکھ ابراہیم کو اُس کی تصدیق کرے اور اللہ پر چھوٹ کون بول رہا ہے اور تکذیب کرے۔ تصدیق و اب میں جارہا ہوں اپنے رب کی طرف، اب وہی میری ہدایت کرے گا تکذیب عقل کا کام ہے اور یہی اسی وقت ممکن ہے جبکہ یقین ہو۔ ابراہیم! تمہارا رب کہاں نہیں ہے؟

یہ تین منزلیں ہیں آپ کی معرفت طلب نگاہوں اور دلوں کے لیے یہ مزید روشنی ہتیا کرتے ہیں: ”اِنِّیْ ذَاہِبٌ“ میں جارہا ہوں رب کی طرف۔ لیکن جہاں ہوں وہیں ہوں۔ مگر سفر کمال انسانیت کی منازل طے کر رہا ہوں۔ خیر کمال بشر آگے بڑھ رہا ہوں، اور وہیں ہوں مجھے حرکت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ قدم اٹھانے رکھنا نہیں ہے۔ بیٹھو اور سفر کرو اپنی جگہ پر رہو اور ترقی کرو۔

پروردگار! تیری طرف آرہا ہوں۔

اب ایک بیٹا آتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں یقین کا عالم ہے یقین کی دو باتیں ہیں، ابراہیم ضعیف ہیں، اور اولاد نہیں ہے، ابراہیم کی بیوی ضعیف ہیں اور اولاد نہیں ہے، مگر جانتے ہیں یقین اُس پر ہے پروردگار! مجھے ایک بیٹا عطا کر۔ ابراہیم! اللہ کی طرف جانے میں اور بیٹے کے لیے دعا میں کیا ربط ہے؟ میں جارہا ہوں اپنے رب کی طرف۔ مجھے بیٹا تو عطا کر تا کہ میرے یقین کا اور بھی امتحان ہو جائے اب اس منزل پر رکتا ہوں۔ امیر المومنین یقین کی تعریف فرماتے ہیں۔

”و اسلام تسلیم ہے تسلیم یقین ہے۔ یقین نام ہے تصدیق کا، تصدیق اعتراف ہے اعتراف فرض کی بجائے اور فرض کی بجائے آوری عمل کو کہتے ہیں۔“

تو اسلام نہیں ہے کہ مگر تسلیم، تسلیم نہیں ہے مگر یقین۔ اور جہاں یقین آیا۔ تصدیق کی۔ جہاں یقین نہیں آیا تصدیق نہیں کی گئی۔

اس لیے کہا گیا ہے کہ عقل کو جو بہترین دولت دی گئی ہے وہ یقین کی دولت ہے یعنی اس کا کام یہ ہے کہ وہ یقین کے ساتھ یہ پہچانے کہ اللہ پر کون بول رہا ہے رب نے حکم دیا، اے آگ ٹھنڈی ہو جا۔ سلامت رکھ ابراہیم کو اُس کی تصدیق کرے اور اللہ پر چھوٹ کون بول رہا ہے اور تکذیب کرے۔ تصدیق و اب میں جارہا ہوں اپنے رب کی طرف، اب وہی میری ہدایت کرے گا تکذیب عقل کا کام ہے اور یہی اسی وقت ممکن ہے جبکہ یقین ہو۔

اسلام نہیں ہے مگر یقین۔ صبح سے شام تک کوئی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہزاروں مرتبہ کہہ جائے مگر یقین نہ ہو تو؟ اور صبح سے شام تک کوئی مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ کہے جائے اور اگر یقین نہ ہو تو کیا ہوگا۔ ایک مرتبہ کوئی یقین سے کہہ دے تو وہ ہزاروں مرتبہ کی بے یقینی کے عالم میں کہنے سے بہتر ہے۔

اس لیے ارشاد فرمایا جناب امیر المومنین علیہ السلام نے:

”عمل القلیل بالیقین خیر من کثیر العمل بلا یقین“

(یقین کے ساتھ عمل قلیل کا انجام دینا اس کثیر عمل سے کہیں

بہتر ہے جو بے یقینی کے عالم میں کیا جائے)

و عبادت کرنے کا شوق اگر شک کے ساتھ ہے بے یقینی

کے ساتھ ہے تو اس سے یقین کے عالم میں سوچنا

بہتر ہے۔

بے یقینی کی عبادت نہ تو اللہ کو پسند ہے نہ فرشتے اس عبادت کو قبول کر کے لے جاتے ہیں اور نہ انبیاء کو یہ عبادت پسند ہے ان کی امتوں کی کہ بے یقینی میں عبادت کی گئی۔

تسلیم یقین ہے تو مجھے ایک بیٹا عطا کر۔

بیٹا عطا ہوا اور جب یہ بچہ اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو اس سے کہا: ”بیٹے ہمیں دیکھ رہا ہوں خواب میں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، تمھاری کیا رائے؟“

باپ نے خواب کا ذکر کیا بیٹے سے رائے پوچھی۔ باپ ہو تو ایسا ہو، اور بیٹا ہو تو ایسا ہو۔ یہ ابراہیم کے گھرانے کی دولت یقین کہ جہاں بیٹے نے بے اختیار (فورا) بابا! بجالائیے، جو حکم آپ کو ملا ہے۔

بیٹے نے یہ نہیں کہا کہ آپ نے خواب دیکھا ہے۔ بیٹا خواب کو حکم الہی سمجھ رہا ہے۔ کہتا ہے کہ ”انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ آپ حکم تو بجا لائیں۔“

باپ کے یقین کا یہ عالم کہ خواب کو حکم الہی جانے۔ اور بیٹا جس نے خواب نہیں دیکھا، باپ کی زبان سے سن رہا ہے، باپ پر اتنا یقین کہ میرا باپ غلطی نہیں

کر سکتا۔ ذبح کی منزل پر آئے۔ یہ وہ منزل تھی جب دونوں نے تسلیم کیا۔

”التسلیم هو الیقین“

(ارشاد الہی ہوا۔)

”ہم نے آواز دی۔ ابراہیم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے

والوں کو یہی صلہ دیتے ہیں۔ یہ کھلا امتحان ہے، ہم نے اسے ذبح عظیم سے بدل دیا

ہے اور ہم نے چھوڑ دیا اسے آخر زمانے کے لیے۔ سلام ہو ہمارا ابراہیم پر۔“

یہ یقین کی منزل ہے جہاں باپ خواب میں حکم پائے اور بیٹے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

بیٹا انکار نہ کرے اور کہے، ہاں آپ عمل کیجیے اس گھرانے سے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت کو آگے

لیکر بڑھتے ہیں اور اگر اپنے چھوٹے لڑکے سے یہ کہتے ہیں کہ میں تجھ سے ہوں تو مجھے اس لیے حیرانی نہیں کہ

قرآن نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ ابراہیم سے قرب رکھنے والا وہ جو ابراہیم پر ایمان لائے۔

یہ نبی پاؤں ہزار برس کے بعد آتے ہیں اور ابراہیم کی منیت میں جاتے ہیں

انسانوں میں سب سے زیادہ قرب ابراہیم سے وہ ہے جو ان پر ایمان لائے۔ یا یہ نبی۔

اور یہ نبی کہتا ہے ”تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔“

دیکھا آپ نے یہ یقین نسلاً بعد نسل آیا اس گھرانے میں آیا۔ اب کیا

دھونڈتے کہ ایمان کہاں تھا، کہاں نہ تھا، اسلام کہاں تھا، کہاں نہ تھا۔

یہ گھرانہ یقین کا گھرانہ، صدق و عدالت کا گھرانہ، اور اس گھرانے کے

کیفیت ہی یہ ہے کہ جہاں بے یقینوں کو یقین عطا ہو۔

اسی منزل پر میقرار ہو کر اقبال نے ایک عجیب فیصلہ کیا: س

”اُنکے بخشیدے یقیناں را یقین: اُنکے لرزدان سجود اوزیں“

وہ انسان جو بے یقینوں کو یقین عطا کرتا ہے۔ یہ وہ انسان ہے جس کے سجدہ

سے زمین کا تپتی ہے۔

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی تلواری کے سائے میں جس کا خون ہے تو اس کے خون کی بوند سے آواز آئے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ وہ حسین ہے جو بے یقینوں کو یقین بخشتا ہے۔“

۲۸ رجب کو مدینے سے نکلے، ۲۷ کا دن گزرنے کے بعد روضہ رسول پر آئے، بڑے یقین سے آئے اور ایک مرتبہ روضہ رسول کو ہاتھ میں تھاما اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا:

”پروردگارا! یہ تیرے نبی محمد کی قبر ہے۔ میں تیرے نبی کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ اب دیکھیے یقین کا عالم الہی! وہ وقت آگیا ہے جس کا تجھ کو علم ہے۔“

یہ یقین ہی کی منزل ہے۔ ابن عباس نے حسین سے پوچھا: مولا! کہاں جائیں گے؟ کہا، عراق جاؤں گا۔

کہا مولا! دشمن بہت ہیں بچے ساتھ ہیں۔

فرمایا، ابن عباس! حکیم الہی یہی ہے۔

عرض کیا، بہنوں کو تو چھوڑتے جائے۔

ناگاہ کسی بی بی کا ہاتھ پردہ محل پر پڑا اور آواز آئی۔ ”ابن عباس! کیا تم بہن کو بھائی سے جدا کرنا چاہتے ہو؟“

ابن عباس نے مناسب نہیں جانا۔

آپ نے تسلی دی۔ ”ابن عباس! میرے نانا کا حکم ہے۔“

اسماعیل اپنے پدر گرامی کا حکم لے رہے ہیں۔

حسین ابن علی کہتے ہیں نانا کا حکم ہے۔ اللہ نے بھی یہی چاہا

ہے کہ تم اس کی راہ میں قتل ہو جاؤ
”یقین کی منزل ہے۔“

منزلوں پر منزل پس طے کرتے ہوئے تیسری شعبان کو مکہ معظمہ سے چلا، منزل صعلیہ پر پہنچے۔ بیٹے نے آکر سلام کیا۔ اور عرض کیا: بابا! میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ کا بایاں ہاتھ کٹ گیا ہے، اور دایاں ہاتھ بھی کٹ گیا ہے، آپ کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔

کہا، سچ ہے۔ وہ قائم ہیں جو قتل کیے جائیں گے، وہ عباس ہیں جو مارے جائیں گے، میرے اعزاز قتل کیے جائیں گے۔ میں کربلا کی طرف جا رہا ہوں۔

آہستہ سے کہا، بابا! وہ آپ کا سیدھا ہاتھ کون ہے؟

حسین ابن علی تیزی سے کھڑے ہوئے علی اکبر کا ہاتھ تھام، اور میدان کی طرف چلے اور کہا۔ ”علی اکبر! تمہاری ماں سن رہی ہیں، بیٹا آہستہ لولو۔ وہ سیدھا ہاتھ تم ہو میرے لال۔“

یقین کی منزل

تو علی اکبر نے برحسہ کہا، بابا کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟

ہم حق پر ہیں بیٹا۔!

”عرض کیا، جب ہم حق پر ہیں تو ہم کو موت پر ڈر کیا ہے۔“

وہ جس کو یقین کی منزل حاصل ہے، موت سے نہیں ڈرتا اس کو تیر و سنان و خنجر و شمشیر نہیں ڈرا سکتے، اس کو شکروں کا ہجوم خائف نہیں کرتا۔ اس طرح سے میدان کربلا میں آئے جو چھٹی سے لشکر پر شکر آنے لگے حسین کے خیمے دریائے ہٹائے گئے، ساتویں سے پانی بند ہوا، آٹھویں اور نویں کو حسین

شکر دہ کی کثرت کی وجہ سے گھرتے چلتے گئے۔ نوں محرم کو حسین ابن علیؑ
محصور ہو چکے تھے۔

اللہ! دسویں کا دن آیا قیامت کا دن تھا۔ ایک کے یقین نے
۴۰ کے دلوں میں یقین پیدا کر دیا۔ اب سب یقین کے عالم ہیں آگے بڑھتے۔
بھانجے گئے، بھتیجے گئے، اعزاء گئے، احباب گئے، اٹھارہ برس کا لال گیا،
تیس برس کا بھائی کیا، اور اب میرے امام اچھے رد گئے۔ میرے پاؤں تک
زخم تھے خیمہ میں آئے سب کو خدا حافظ کہا۔ عابد ہمارے کا ہوا تھا۔ سترہ حمد کی
تلاوت کی۔ بیمار نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا بابا زخمی ہیں۔ پوچھا بابا! کیا چچا مائے
گئے؟ کہا۔ بیٹا! سب مارے گئے۔

بیمار نے کہا 'بابا! مجھے اجازت دیجیے۔

"کہا نہیں بیٹا، نسل محمد کو باقی رہنا ہے۔ خدا حافظ کہہ کر چلے جاتے
جاتے ہیں صرف اتنا کہنا کہ عابد بیمار کا خیال رکھنا۔ اور عابد ہمارے سب کا خیال
رکھیں گے، مگر زینب بد دعا نہ کرنا۔ یہ کہہ کر ایک مرتبہ خیمے کے قریب آئے گھوڑے
کو آواز دی۔ کوئی ہے میری سواری کا لانے والا۔ گھوڑا چل کر آیا۔ بہن نے آگے
بڑھ کر رکاب کو اٹھا، حسین گھوڑے پر آگے بڑھے، خیمے سے آگے بڑھے مگر گھوڑے
نے چلنے سے انکار کر دیا۔

پوچھا، تو گھوڑے نے گردن کو جھکا لیا۔ دیکھا تو گھوڑے کے پاؤں
سے کیٹنے لپٹی ہیں۔ اس منزل پر بیٹی کو رخصت کیا کہا۔ کیٹنے نہ روؤ بیٹے۔ شاید کہ
میں پانی لاسکوں۔"

کیٹنے نے صرف اتنا کہا "چچا مائیں بھی یہی کہہ کر گئے تھے۔"

حسین گئے کر بلا کے میدان میں شام ہوتی گئی، کیٹنے دروازے پر کھڑی

رہیں، بابا شام اب آئیں گے، اب آئیں گے،

ہائے کوئی بیٹی اس طرح سے منتظر نہ ہو۔ شام ہو گئی۔ بابا نہ آئے
دوڑ کے پھوپھی کے پاس گئیں۔ پھوپھی اماں میرے بابا نہیں آئے۔

کہا "بیٹا بابا نہیں آئے تو پھوپھی جاتی ہے۔ پھوپھی میدان میں آئیں
بہن آواز دیتی چلیں، میرا بھائی کہاں ہے؟

ایک لاشہ کے قریب پہنچ کر آواز آئی۔ ادھر آؤ بہن، ادھر آؤ۔

بھائی کو خدا حافظ کہا، بھائی نے کہا جاؤ، اب خیمے میں جاؤ خیمے

سے باہر نہ آنا۔ اتنا بھتی نا شہادت حسین امتحان تھا۔ قتل حسین، اس کے بعد

ضرورت کیا رہی تھی۔ شکر شام نے کہا "دل تو ہمارا سیر ہو چکا، خیمے تو چل چکے،

بچے طلبہ کھا چکے، بی بیوں لٹ چکیں، اب اتنی اجازت اور دیں کہ قوم عرب جس

کو ذلیل کرتے ہیں اس کی لاش کو گھوڑوں سے روندتے ہیں، پامال کرتے ہیں۔

اجازت مل چکی، خیمہ کا قبیلہ سامنے آیا تلواریں پھینچ لیں کہا ہمارا

سرور امیر قوم تھا، بڑی ذلت کی بات ہے اگر اس کا لاشہ پامال ہو۔ ہم اس کی اجازت

نہ دیں گے۔ کہا، اچھا لے جاؤ، ایک ایک قبیلہ آتا تھا۔ ایک ایک کی لاش کو اٹھا

کر لے جاتا تھا۔ ساری لاشیں اٹھ گئیں، مگر کون تھا، وارث اس لاشہ کو اٹھانے

والا کر بلا کے میدان میں۔

رزق

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قَتَلُوا أَوْ مَاتُوا الْبِرُّ لَهُمْ
اللَّهُ رِشْقًا حَسَنًا وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (سورہ حج آیت ۵۸)
سورہ حج میں ارشاد باری ہے کہ اور وہ جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی
پھر قتل کر دیے گئے۔ اَوْ مَاتُوا، یا مر گئے، ثُمَّ قَتِلُوا اَوْ مَاتُوا، ان کے لیے
وہ یہ ہے کہ خدا ان کو رزق حسن عطا کرتا ہے۔ اور پھر اس شان سے وَرَّثَ اللَّهُ
لَهُمْ خَيْرُ الرَّازِقِينَ، ذات واجب تو بہترین رزق دینے والی ذات ہے۔
مسئلہ چونکہ ہماری آپ کی اور مخلوقات عالم کی زندگی سے وابستہ
ہے اس لیے التفات کے قابل ہے مسئلہ رزق، ذات واجب نے اپنے آپ
کو خَيْرُ الرَّازِقِينَ کہا ہے، اور پھر ارشاد فرمایا، میں رزق دیتا ہوں۔
دیتا ہوں سب کو اور پھر سب بگڑتے ہیں۔

سورہ ہود میں ارشاد ہوا مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ
إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔ (سورہ ہود آیت ۶) زمین پر کوئی چلتی والا ایسا
نہیں ہے، مگر اس کے رزق کی ضمانت ہم نے لی ہے۔
اور سورہ عنکبوت میں ارشاد ہوا۔ كَآيِنَ مِّنْ دَآبَّةٍ لَا

تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اللَّهُ يَرْزُقُهَا (سورہ عنکبوت آیت ۶)

کتے ہیں زمین پر حرکت کرنے والے کہ جو اپنا رزق اپنے کاندھوں پر لیے ہوئے نہیں پھرتے، بلکہ ہم ان کو رزق عطا کرتے ہیں وہ اپنے کاندھے پر اپنا رزق لیے ہوئے نہیں پھرتے۔

تو ایسی صورت میں اعطائے رزق جس کی ذمہ داری ذات واجب نے لی ہے کبھی کبھی جب دعوتِ فکر دے تو آپ کو یہ غور کرنا پڑتا ہے کہ پوری نوعِ انسانی نفسِ واحد ہے، روئے زمین پر کہیں انسان رہے مَا خَلَقَكُمْ وَلَا يَبْعَثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ ط (سورہ لقمان آیت ۲۸)

”تمہاری خلقت اور تمہاری بعثت، تمہارا پیدا کیا جانا، تمہارا اٹھایا جانا نفسِ واحد کی طرح سے ہے“

تو جب تم کو پیدا کیا اور زمین میں جبکہ دی، زمین میں تمہارے رزق کا انتظام کر دیا۔ اب ساری زمین پر جتنے بھی بندے جی رہے ہیں، جتنی بھی مخلوق پل رہی ہے۔ زمین میں اتنی صلاحیت ہے، زمین میں اتنی استعداد ہے، اتنی قابلیت ہے کہ ان سب جینے والوں کے لیے وہ سامانِ رزق فراہم کرے، زمین کو اس قابل بنایا، لیکن اگر زمین پر عارضی نظم و نسق رکھنے والے اور زمین پر انسانی حکومت کے مختلف مظاہر اپنے آپ کو تجارت کے انداز میں اور قیمتوں کے اتارنے اور چڑھنے کی صورت میں غور و فکر کرتے ہوئے کسی جگہ غلہ کی منہ اوانی کو دیکھ کر لاکھوں ڈالروں اس لیے خرچ کریں کہ فاضل غلہ جلا دیا جائے، یا فاضل غذا بیکار کر دی جائے، تو میں اللہ پر تو کوئی الزام نہیں آتا۔ آپ اپنے ہاتھوں رزق تباہ کر رہے ہیں۔ آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں کہ کتنے کروڑ ڈالروں خرچ کیے جا رہے ہیں کہ غلے کو تباہ کرو، فاضل رزق کو تباہ کرو، اس لیے کہ کہیں بازار بگڑ نہ جائے۔ کہیں قیمت پر اثر نہ آئے۔

اس طرح سے بندے اپنے ہاتھوں سے عطا کیا ہوا رزق برباد کریں، تو یہ اُس کی رزاقیت پر تو الزام نہیں لگا سکتے۔ یہ تو نہیں کہہ سکے کہ اگر وہ رزاق ہے تو بندے بھوکے کیوں مرتے ہیں۔ کس کی وجہ سے بندے بھوکے مرتے ہیں؟ تمہارے نظم و نسق کی وجہ سے ذات واجب پر ان واحد کے لیے بھی شائبہ الزام نہیں آسکتا کہ اُس نے اپنے بندوں کو کہیں رزق سے محروم رکھا یا بھوکا رکھا، صرف یہی نہیں کہ اس نے صرف معدہ کے لیے رزق بنایا۔ اس نے جس چیز کو خلق کیا اس کے لیے رزق بنایا، دماغ بنایا تو دماغ کے لیے رزق الگ ہے، آنکھیں دیں تو آنکھوں کے لیے رزق الگ ہے، کان بنائے تو کانوں کے لیے رزق الگ ہے، ناک بنائی تو ناک کے لیے رزق الگ ہے۔ بس پیدا کیا تو قوتِ لامسہ کا رزق الگ ہے۔ آگے بڑھ کے عقل دی، تو رزق عقل کچھ اور ہے۔

ملاحظہ فرمایا! وہ رزاقِ متین ہے۔ وہ جس چیز کو پیدا کرتا ہے اس چیز کو بغیر رزق کے نہیں رکھتا۔ اچھا منظر آنکھوں کے لیے رزق ہے، اچھی آواز کانوں کے لیے رزق ہے، اچھا ذائقہ زبان کے لیے رزق ہے، حکمت کی باتیں عقل کے لیے رزق ہیں۔ اور اس طرح سے ذات واجب نے کسی کو بغیر رزق نہیں رکھا۔

وَحَسْبُ الْإِنْسَانِ قَلِيلٌ ۖ بَہترین رزق دینے والا ہے اور پھر رحمن ہے، موتی کو بھی رزق دیتا ہے، فرعون کو بھی رزق دیتا ہے، رحمن ہے ابراہیمؑ کو بھی رزق دیتا ہے، غمزدہ کو بھی رزق دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ اپنے بندے کو رزق دے اور جو اس سے سرتابی کرے اس کا رزق بند کر دے، یہ رحمانیت کا تقاضا نہیں ہے۔ اس نے طے کر لیا کہ جب تک جیو گے، رزق میں دوں گا۔ اس لیے رزق کی شکایت نہ کرنا سب سے بڑی انسان کی ناشکری یہ ہے کہ وہ ذات واجب پر یہ الزام لگائے کہ وہ رزاق ہوتے ہوئے اپنے بندوں کو بھوکا دیکھتا ہے۔ بندے اگر بھوکے رہتے ہیں تو یہ

ہمارا اپنا بنایا ہوا نظم و نسق کا ایک راستہ ہے کہ جہاں جا کر بہت سے انسان صحیح معنی میں وہ رزق نہیں پاتے جو ان کو پہنچنا چاہیے۔ دینے والا تو سب کو دے رہا ہے۔ اس منزل پر آگے بڑھ کر ارشاد فرمایا "فَضَّلَ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ" (سورہ نحل آیت ۷۱)

بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی

یہ بھی سمجھنا کہ سب کے لیے طے کر دیا ہے کہ سب کو ایک ہی طرح سے رزق دیں گے۔ نہیں۔ "فَضَّلَ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ" بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دے دیا ہے۔

دیکھیے! اب اس شبہ کو بھی نکال دیجیے کہ وہ کسی کو زیادہ رزق دیتا ہے کسی کو کم رزق دیتا ہے۔ کیوں طرف کو دیکھتا ہے۔ صلاحیت کو دیکھتا ہے اور پھر رزق عطا کرتا ہے۔ ارشاد فرمایا: ہم نے کسی کو زیادہ رزق دیا کسی کو کم رزق دیا۔ مگر حکم یہ ہے۔ "فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَأْسِ الرِّزْقِ عَلَيْهِمْ عَلَى مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ" (سورہ نحل آیت ۷۱)

جن کو زیادہ رزق دیا گیا ہے، وہ دوسروں پر اس رزق کو تقسیم کیوں نہیں کرتے، اُن لوگوں پر جو ان کے دست نگر ہیں۔

انکار نہیں فرمایا، یہ نہیں کہا کہ ہم نے رزق نہیں دیا، یہ نہیں کہا، بلکہ یہ کہا، ہم نے سب کو برابر دیا۔ درجات ہیں جیسے عقل کے درجات ہیں، فکر کے درجات ہیں، انسانیت کے درجات ہیں، اسی طرح اعطائے رزق کے درجات ہیں۔ اعطائے رزق کی وجہ سے ذات واجب پر کوئی تہمت نہیں لگائی جاسکتی جس کو جس قابل پاتلے اتنا رزق دیتا ہے۔

ہم نے تم کو رزق دیا، تم نے فضیلت پائی، مگر رزق کے استعمال میں تو

سب برابر ہیں نا، تو ایسی منزل پر ایک اور مسئلہ کو قرآن نے حل کر دیا۔ ہم بہت سے لوگوں کے رزق میں اضافہ کر دیتے ہیں، مگر جب ان کے پاس اضافے سے رزق پہنچ جائے کہ جو ان کے دست نگر ہوں، وہ اُن تک تو رزق پہنچا دیں، اس لیے کہ واسطہ بنایا ہے ہم نے ان کو ذریعہ بنایا ہے کہ ہمارے فیض کے لیے ایک ذریعہ بن کر رہیں ہمارے کرم کے لیے ایک راستہ بن کر رہیں۔

یہ مارج رزق ہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوا، بڑی وضاحت کے ساتھ، دیکھو! ایک مثال ہے اس مثال کو نہ بھولو: "ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَمَنْ رَزَقْنَاهُ مِنْ رِزْقِ احْسَنَّا فَهُوَ يُنفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا هَلْ يَسْتَوُونَ" (سورہ نحل آیت ۷۵)

اللہ ایک غلام کی مثال بیان کرتا ہے، وہ کسی بات پر قادر ہی نہیں ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے رزق حسن دیا ہے، تو اس کا عالم یہ ہے کہ وہ کبھی چھپا کر دیتا ہے کبھی اعلانیہ دیتا ہے، کیا وہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ جس کو ہم نے رزق حسن دیا ہے وہ کبھی رات کی تاریکی میں دیتا ہے کبھی دن کی روشنی میں دیتا ہے، وہ کبھی رزق حسن کو روکتا نہیں۔ جو مملوک ہے اور غلام ہے، وہ رزق کو روک رکھتا ہے۔ آزاد اور غلام کی مثال آپ نے سنی۔ آزاد وہ کہ دے تو تقسیم کرے، غلام وہ کہ دے تو روک رکھے۔

اس منزل پر عنوان کی آیت پر پھر واپس جائیں۔ "وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قَتِلُوا أَوْ مَاتُوا الْيَزُوقْنَهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا" (سورہ حج آیت ۵۸)

جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر وہ قتل کر دیے جائیں یا مرجائیں تو وہ

یہ ہے کہ خدا ان کو رزق حسن دیتا ہے۔ تو وہ غلام نہیں ہیں، وہ ملوک نہیں ہیں، وہ فکر آزاد رکھتے ہیں، ان کی موت ان کے لیے تقسیم رزق میں مانع نہیں ہے۔ خدا ان کو رزق حسن دیتا ہے، اگر وہ قتل ہو جائیں یا مرجائیں۔ دیکھیے رزق کا تصور تو جینے کے ساتھ ہے، ناز و زندگی کے ساتھ ہے، یہاں ارشاد ہوتا ہے مرنے کے بعد رزق دیتے ہیں مرنے کے بعد بھی رزق حسن دے گا، یہ تو وہ غلام نہیں ہیں، وہ ملوک نہیں ہیں جب مرنے کے بعد رزق دیتے ہیں تو وہ اور رزق تقسیم کر رہا ہوگا۔

بڑی اہم فکر پیش کر رہا ہوں، جس کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ راہ خدا میں ہجرت کر کے آیا ہے تو مکان سے مکان کی طرف ہجرت نہیں بلکہ عادات قبیحہ کو چھوڑ کر خصال حسنہ کی طرف آ رہا ہے، ظلمات کو چھوڑ کر نور کی طرف آ رہا ہے، بدی کو چھوڑ کر نیکی کی طرف آ رہا ہے، اگرچہ اپنے مقام پر بیجا ہی ہو مگر مہاجر ہے اس لیے کہ حرکت مسلسل ہے، مسلسل ہے سیر عقلا سے، ظلمت سے ہٹ رہا ہے، نور کی طرف آ رہا ہے، باطل سے ہٹ رہا ہے، حق کی طرف آ رہا ہے، غیر حق سے ہٹ رہا ہے، حق کی طرف جا رہا ہے۔ ایسے موقع پر مہاجر ہے اور اس عالم میں قتل ہو جائے یا مرجائے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ دشمن نے مارا اور اگر مر گیا تو کسی کی محبت میں مر گیا۔

اب دیکھیے، ہم اس کو رزق حسن دیتے ہیں، یعنی اب ایسے قتل ہونے والوں کو یا ایسے مرنے والوں کو مردہ نہ سمجھنا۔ کیا دلیل دی ہے اور جس کو ہم رزق حسن دیتے ہیں، وہ رزق کو روکے نہیں رکھتا، وہ کبھی چھپا کر دیتا ہے کبھی اعلان کر کے دیتا ہے۔ تو دینے کے لیے فقط حیات دنیا کی ہی ضرورت نہیں، سانس کے چلنے کی ضرورت نہیں، جسم کے متحرک ہونے کی ضرورت نہیں، قتل ہونے کے بعد بھی رزق بانٹ سکتا ہے۔ مرنے کے بعد بھی رزق یا بانٹ سکتا ہے۔ اب آپ نے دیکھا اس منزل رزق پر پہنچ کر چند باتیں واضح ہو گئیں سب سے پہلے یہ کہ کائنات کے ذرے ذرے کے لیے اس کے لیے اس کا اپنا رزق ہے۔ رزق دینے والا رزاق متین ہے۔ اُس نے ہر شے کو اس کی استعداد کے مطابق رزق دیا ہے تو اسی طرح سے ہجرت کرنے والے کو بھی رزق دیتا ہے۔ تو وہ رزق پالتے والا رزق کو روکتا نہیں، وہ انصاف

۱۔ اللہ ہی راہ خدا میں ہجرت کرنے والا مستہد ہے خدا کا رزق کھاتا ہے۔

سورہ آل عمران ۶۷ کے بار بار ہے، دیے جا رہا ہے کبھی چھپا کر دے رہا ہے کبھی اعلان کر کے دے رہا ہے۔ اب اس منزل پر ایک مرتبہ واپس آ کر ایک اور آیت کو دیکھیں۔ یہ آیت سورہ آل عمران کی ہے۔ آخر وہ رزق دیتا کس کو ہے، وہ رزق دیتا کس کو ہے۔

ارشاد ہوا: "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ • فَرِحْنِ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ • الْأَخْيَارُ عَلَيْهِمْ وَلَهُمْ يَحْزَنُونَ • (آل عمران ۱۶۹-۱۷۰)"

اللہ کی راہ میں قتل ہو جانے والوں کو مردہ نہ کہنا، گمان بھی نہ کرنا، ترجمہ صحیح یہ ہے کہ گمان بھی نہ کرنا کہ وہ مردہ ہیں، نہیں وہ زندہ ہیں اور زندگی کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔ کشتگان راہ خدا، خوش ہیں کہ خدا کے فضل سے اللہ نے ان کو یہ دیا ہے۔ یہ منزلت عطا کی ہے۔ ان کو فرحت ہے اور بشارت ہے کہ ہمارے بعد آنے والوں کو نہ خون رسے گا، نہ حزن رہے گا۔

ملاحظہ فرمایا، یہ کون سی منزل ہے کہ راہ خدا میں قتل ہونے والا رزق پا رہا ہے، خوش اس لیے ہے کہ اللہ کا فضل یوں شامل حال ہے، بشارت و فرحت اس لیے ہے کہ بعد میں آنے والوں کو ڈر نہیں رہا۔

اب جس کو جہاں ضرورت پڑے نام لے لے شہید کا۔ اس میں کوئی قید نہیں ہے عقیدے کی۔ شہرخص یہ کہتا ہے ہم حسین کے نقش قدم پر چلیں گے، عقیدے کی قید نہیں ہے کہ اسی عقیدے کا ہو تو کہے۔ وہاں رزق بٹ رہا ہے۔ سخی کی بارگاہ ہے۔ جب تک جسم غفیری مادی میں ان کی روح کریمہ تھی اس وقت بھی تھی تھی۔ روٹیاں اٹھاٹھا کے دے دیتے تھے اور ہل اتی کو لے لیتے تھے۔

مرنے کے بعد بھی رزق رکاتا نہیں ہے۔ شہیدوں نے رزق دیا، شعور کو رزق

دیا، عقل کو رزق دیا، فکر کو رزق دیا، اور آگے بڑھ کے پھر ادب کو رزق دیا۔ سخن کو رزق دیا، فہم انسانی کو رزق دیا، تمدن کو رزق دیا، تہذیب کو رزق دیا۔ یہ شہیدوں کا رزق ہے جس میں ہم جی رہے، وہ مسلسل عطل کیے جا رہے ہیں۔ ہر منزل، ہر کتاب کرنے والے ہر استعداد رکھنے والے نے حسبِ حوصلہ شہید سے رزق لیا۔

آلِ عمران کی آیت آپ سن چکے، گمان بھی نہ کرنا کہ کشمیر کا راز مرده ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اللہ کی نگاہ میں زندگی اور موت کا وہ مفہوم نہیں ہے جو آپ کی اور ہماری نگاہ میں ہے کہ سانس چلے تو زندہ ہیں، ہم حرکت کریں تو زندہ ہیں، قرآن کی نظر میں تو موت اور حیات کا تصور ہی اور ہے۔

سورۃ جاثیہ کی آیت ہے ”أَمْ جَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ“ (سورۃ جاثیہ آیت ۲۱)

کیا بدکاری کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو ایمان داروں کی فہرست میں لاکھڑا کریں گے۔ ان کی حیات و موت ہمارے نزدیک یکساں ہے؟ خدا کی نظر میں ان کی حیات و موت دونوں برابر ہیں۔

توبہ کاری کی زندگی قرآن کے نزدیک موت ہے۔ سانس بیتی ہوئی یعنی جلتی پھرتی میتیں ہیں، حرکت کرتے ہوئے جنازے ہیں، مگر قرآن جس زندگی کہتا ہے، وہ زندگی وہ ہے جہاں ایمان اور عملِ صالح کے بعد انسان عنہ ہجرت کرے، قلت سے نور کی طرف آئے، اب قتل ہو جائے یا مر جائے، ہم اس کو رزق حسن دیں گے، تو قتل ہو جانے والے کے لیے شہادت لازم، شہادت کی زندگی ثابت، مگر مرنے والے کے لیے؟ تو مرنے والے کے لیے کہا ”مَنْ مَاتَ

عَلَى حَبِّ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ شَهِيدًا“ جو آلِ محمد کی محبت پر مر جائے وہ شہید مرنے والا ہے۔

محبت نے کیا کیا؟ مہاجر بنایا، گھر نہیں چھوڑا آپ نے، مکان نہیں بدلا آپ نے، محبت نے تجدیدِ ہستی کی کیفیت پیدا کی، آپ کی زندگی کو منقلب کر دیا۔ آپ کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ پستیوں سے بلند یوں تک لے جانے والے محبت ہے۔ محبت نام ہے تجدیدِ ہستی، مومن کا جہاں یہ محبت آئے تو وہاں بھی شہاد

جہاں تہہ خنجر کوئی جائے وہاں بھی شہادت۔ رزق ملتا ہے ہر طرح سے رزق ملتا ہے۔ تو اس طرح سے ہم اسی رزق کو حاصل کر رہے ہیں۔ جب شہیدوں کی یاد مانتے ہیں تو خدا گواہ ہے یہ سمجھ کر یاد نہیں مانتے کہ مر چکے۔ شہیدوں کی زندگی اعطائے رزق کے لیے لازم ہے۔ دنیا میں جن کو بھرپور رزق ملتا ہے، ہاتھوں کو اپنے روک لیتے ہیں اور دنیا کو فاقہ کشی پر مجبور کرتے ہیں، مگر اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والا اور شہادت پانے والا وہ رزق کو روکتا نہیں ہے۔ وہ زندہ ہے۔ ان سے رزق لو، عقل کے لیے مانگتے ہو رزق مانگو، نفس کے لیے مانگتے ہو رزق مانگو، شعور کے لیے مانگتے ہو رزق مانگو، ادب کے لیے رزق مانگتے ہو، مانگو۔ اپنے جینے کے لیے بھی رزق مانگتے ہو تو مانگو۔ اس میں بدعت کی بات نہیں حیاتِ ثابت ہے۔ دینے والا وہ مالکِ کل، دینے والا خالقِ کل، دینے والا خیر الرازقین ہے، دینے والا رزاقِ مبین، اُس نے راستے بتا دیے اور یہ بتایا جس ہاتھ میں رزق رک جائے گا چین کر دوسرے کے ہاتھ میں دے دوں گا۔ خبردار! روکو نہیں دیتے جاؤ اس لیے کہ یہ کرم ہے کہ رزق مل رہا ہے۔

۱۳۹ھ کا محرم ہے ابھی تک رزق مل رہا ہے اور قیامت تک ملنا رہے گا۔ یوں رزق پاتے ہیں، عقل کو رزق دیا، شعور کو رزق دیا، اور مبتلا یا کہ دیکھو اگر اپنے

یہ راہیں ڈھونڈ سکتے ہو تو رزق کو، رزق دینے کے لیے تیار ہیں، مگر قبل اس کے کہ یہ فکر ہو کہ ہم ان کے بتلائے ہوئے راستے پر چلیں گے یا ان کے آثارِ قدوئیت کو ڈھونڈتے ہوئے، یا ان کے جذباتِ قربانی کو دیکھتے ہوئے ہم بھی اسی منزل پر پہنچ کر اپنی قربانی اور قدوئیت کو پیش کریں گے تو اس سے پہلے ایک یہ مرتبہ ضروری ہے کہ شہید کو کوئی پہچان تو لے۔ کس منزل پر گفتگو جارہی ہے۔ اسے شہید کو پہلے پہچانو، پھر یہ کہو کہ ہم ان کے قدم بہ قدم چل رہے ہیں۔ کون ہے شہید؟ اسلام میں ایک ہی ذاتِ عظمت کے قابل ہے، اسلام میں ایک ہی روحِ ایمان ہے، اسلام میں ایک ہی روحِ کمال ہے۔ اسلام مکمل ایک ہی قدسی صفات ہے اور وہ ذاتِ گرامی، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، انہی کا کلمہ ہے، انہی سے اذان ہے، انہی سے شہد ہے، انہی کے لیے سلام ہے، انہی کے لیے درود ہے، وہی مظہر صفاتِ جلال و جمال الہی ہیں، سب کچھ وہ ہیں۔

انہوں نے اللہ کے پیغام کو آخری صورت دے کر یہ بتلایا کہ قیامت تک اسی پیغام کو رہنا ہے۔ تو اب ایسی صورت میں نبی یہ چاہتے تھے کہ اس کام کی تکمیل کے لیے میں کسی ایسے کو چن لوں اس کام کی تکمیل کے لیے قدوئیت اور قربانی کی منزل آئے تو نہ وہ اپنا خیال کرے، نہ بچوں کا خیال کرے، نہ گھروالوں کا خیال کرے، نہ ترکِ وطن کا خیال کرے کسی کا خیال نہ کرے، اس لیے اپنی چہیتی بیٹی کے بیٹے کو پسند کر کے سینے سے لگا کر کہا "حسین بنی و آتانا من الحسین" حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں

یہ وہ منزل تھی کہ جہاں حسین بن علی نے دیکھا کہ نانا کے مقصد کی تکمیل اسی میں ہے کہ گھر چھوٹے صحیح معنی میں ہجرت واقع ہو جائے۔ مریہ چھوٹے مریہ کا احترام بھی رہ جائے مسکائیں اور مکے کی عظمت بھی باقی رہ جائے۔ نہ یہاں لڑائی ہو، نہ وہاں لڑائی ہو دونوں جگہ کی لڑائی کو حسین پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے نہیں پسند کرتے تھے کہ آگے چل کر

ہمیں تاریخ یہ نہ کہہ دے کہ قاتل کا پتہ نہیں چلا، معلوم نہیں کس نے قتل کیا۔ معلوم نہیں حاجیوں کے لباس میں کون تھا، معلوم نہیں مریہ میں کون سی سازش تھی۔ اس لیے حسین چاہتے تھے کہ اب جو لڑائی ہو کھلے میدان میں لڑائی ہو، تقسیم برابر کی ہو، اپنا پرایا معلوم ہو جائے، یگانہ بیگانہ پہچانا جائے۔ آنے والا کوئی آئے تو حسین کے آئے۔

اور ایسے موقع پر محترم کی دسویں تاریخ ۶۱ھ کا پہلا مہینہ حسین بن علی نے طے کر لیا کہ آج قربانی کی منزل ہے۔ اور اس قربانی کی منزل پر انبیاء و مرسلین کو بھی دیکھا اس قربانی کی منزل پر ہم نے دنیا کے بڑے بڑے عقل مندوں کو بھی دیکھا، مگر اس شان سے اس منزل کو سر کرتے ہوئے کسی کو نہ پایا۔ ابراہیم ایک منزل پر رک گئے، زکریا ایک منزل پر رک گئے، موسیٰ ایک منزل پر رک گئے، مگر جو یہاں دیکھا ایک دن میں اتنی لاشیں اٹھائیں، ۵ برس کا سن ہے کبھی بھانجوں کی لاشیں لارہے ہیں، کبھی بھتیجے کی لاش لارہے ہیں۔ آخر میں وہ منزل بھی آئی کہ اٹھارہ برس کے جوان بیٹے کی لاش اٹھائی۔ اور یہ کہہ کر اٹھائی "علی الدنيا بعدك العفا" علی اکبر تیرے بعد تو جینے پر خاک ہے اب جو فرصت ملی تو بیست برس کے بھائی کی لاش اٹھائی اور یہ کہہ کر چلے۔ جاؤ عباس! جاؤ۔ اب ہماری کمر لٹ گئی، جانے والے جا چکے اب تھوڑی دیر میں ہم بھی آرہے ہیں۔ یہی قضائے الہی ہے۔ یہ کہہ کر قتل گاہ میں آئے، زخمی تو ہو چکے تھے۔ گھوڑے کی گردن میں دونوں ہاتھوں کو ڈال دیا اور کہنے لگے "ذوالجناح! آخری سواری ہے۔ آہستہ آہستہ چل، مجھ کو پسند کر لیں گے۔"

ایک مقام پر پہنچ کر جگہ کو پسند کیا اور بقاری میں زمین پر سجدہ باری میں گر پڑے اور آواز دی۔ "تیرے حکم پر راضی ہوں مالک میرے، معبود میرے! تیرے امر کو مان رہا ہوں، تیرے سوا میرا کوئی معبود نہیں ہے۔ اے پناہ نہ رکھنے والوں کو پناہ دینے والے! اب میری مدد کر۔"

حسین زمین پر آئے، ادھر خیمے کا پردہ الٹ کر بہن نکلی، یہ کہتی ہوئی چلی
بھائی نظر نہیں آتا کر کے میدان میں شام ہو رہی ہے، بہن، بھائی کو ڈھونڈ رہی ہے، کہ
ایسے میں ایک مرتبہ آواز آئی۔ جاؤ بہن واپس جاؤ، واپس جاؤ، جاؤ بہن واپس جاؤ
عابدیہ بھار کی حفاظت کرو، سکینہ کی حفاظت کرو، گھر والوں کی حفاظت کرو۔

اب جو واپس آئیں دیکھا خیمے جل رہے ہیں۔ تو گھبرا کر بچوں کو باہر کھینچا
عابدیہ بھار کا سجادہ باہر لائیں، سکینہ بی بی کو سنبھالا، اور ایسے عالم میں جبکہ خیمے
جل رہے تھے اور ادھر کر بلا کے میدان میں شام ہو رہی تھی۔

ہاٹے رے زینب کی پریشانی، ام کلثوم سے کہا، بہن کل کی بات تھی نا
اسی خیمے کے اطراف عون و محمد بھی تھے، عباس بھی تھے، علی اکبر بھی تھے، قاسم ابن حسن
بھی تھے۔ بہن آج کون ہے، چلو! تم ہم مل کر آج بچوں کی حفاظت کریں۔

یہ کہہ کے ایک مرتبہ بچوں کو ریتی پر بٹھا کر اطراف گھومنے لگیں، تھوڑی دیر نہ گزری
تھی، ایک مرتبہ دیکھا کہ تاریکی شب میں کسی کے آنے کی آواز آرہی ہے۔

گھبرا کے کہا، ارے کون آرہا ہے؟

پتہ چلا کہ کوئی سوار آرہا ہے۔ تیزی سے آرہا ہے۔ پکار کر کہا، علی کی بیٹی تجھ سے
کہتی ہے۔ رگ جا، میرے بچے ابھی ابھی گھبرا کے سوئے ہیں۔ ادھر نہ آ۔

مگر وہ سوار درگنا تھا نہ رگہ۔ علی کی بیٹی کو جلال آیا۔ آگے بڑھ گئیں، گھوڑے
کے سامنے کھڑی ہو گئیں اور ایک مرتبہ گھوڑے کی لگام پر ہاتھ ڈال دیا اور کہا، تجھے دھیان
نہیں آتا، فاطمہ کی بیٹی تجھ سے کہتی ہے رگ جا۔

سوار نے ایک مرتبہ نقاب کو الٹ کر کہا، زینب علی آیا ہے، علی آیا ہے
حفاظت کے لیے، جاؤ زینب آرام کرو آج علی حفاظت کرے گا۔

~~~~~

## تسلیم

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْآخْزَابَ لَا قَائِلُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا  
اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا  
إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ۝ (سورۃ الاحزاب آیت ۲۲)

سورۃ الاحزاب کی اس آیت سے جس کی میں نے ابھی تلاوت کی نفیت  
حاصل کی یہ پتہ چلتا ہے کہ جنگ کے میدان میں دشمنوں کی کثرت تھی اور ہر طرف سے  
دشمن ٹوٹ پڑ رہے تھے۔ اور اس کی تفصیل اس سے پہلے آیتوں میں موجود ہے۔  
إِذَا جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ (احزاب ۱)  
وہ پہاڑوں پر سے اتر رہے تھے، وادیوں سے نکل رہے تھے، تمہارے مختلف  
اطراف کے دیہات سے یہ جمع ہو رہے تھے، اور ایسی منزل پر کہ جب یہ لشکر اس  
کثرت کے ساتھ احزاب میں جمع ہو رہا تھا جس کو خندق کہتے ہیں تو ارشاد ہوتا ہے  
هَذَا لَكُمْ أَنْبَشَى الْمُؤْمِنِينَ وَزُلْزِلُوا زَلْزَلًا شَدِيدًا (احزاب ۱۰)  
صاحبان ایمان کا امتحان تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شدید  
زلزلے دلوں میں آرہے ہیں۔ بَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ (سورۃ احزاب آیت ۱۰)  
کلیے بڑے کوچے تھے اور ایسے موقع پر وَإِذْ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ  
فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ (احزاب آیت ۱۳) اور منافق یہ کہہ رہے تھے اور



جن کے دلوں میں بیماریاں تھیں وہ یہ کہہ رہے تھے مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا • (احزاب آیت ۱۲)۔

”آج اللہ نے اور اس کے رسول نے ہم کو دھوکا دے دیا۔ آج اللہ نے اور اس کے رسول نے فتح کا وعدہ کیا تھا۔ مگر فوجوں کی یہ شدت، فوجوں کی یہ کثرت اور ان کی یہ طاقت اور ان کی یہ عسکری قوت دیکھ کر اب ہم کو یہ یقین ہو گیا ہے کہ آج ہم مر گئے۔“

لیکن ابھی جس آیت کی تلاوت کی گئی وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ، مگر جب صاحبانِ ایمان نے لشکروں کو دیکھا، قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ، ”ان لوگوں نے کہا، یہ ہے وہ جس کا اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا“ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ، ”اور اللہ بھی سچا ہے اور اس کا رسول بھی سچا ہے۔ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا۔“ اور ان میں اضافہ ہوا تو ایمان ہی کا اضافہ ہوا، تسلیم ہی کا اضافہ ہوا۔“ نہیں زیادتی ہوئی مگر ایمان میں اور تسلیم میں

ایسی منزل پر دل نے یہ چاہا کہ آج ملتِ اسلامیہ کو پیغام دیتے ہوئے تسلیم پر گفتگو ہو جائے۔ تسلیم، سپردگی۔ تسلیم اپنے آپ کو کسی کی مرضی کے حوالے کر دینا۔ تسلیم، جہاں انسان قبول کرے اور مانے کسی چون و چرا کے بغیر کسی حکم کو جس کو وہ چاہتا ہے، جس کو وہ مانتا ہے، جس سے وہ محبت رکھتا ہے، جس کی وہ عبادت کرتا ہے، جس کی وہ پرستش کرتا ہے، اُس کو قبول کرے۔ یہ مقام تسلیم ہے اسی سے اسلام ہے، اگر اس میں سلیم ہو۔ اسلام سپردگی کی وہ منزل ہے کہ جہاں انسان صلیحِ آشتی کا اعلان کرتے ہوئے معبود کے حکم کے آگے، معبود کے فرمان کے آگے اپنے تسلیم کو خم کر دے۔ تسلیم۔ قرآن مجید میں عجیب بات یہ ہے کہ لفظ

تسلیم تین مقامات پر استعمال ہوا ہے۔

پہلے یہ آیت مَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا • اضافہ نہیں ہوا مگر ایمان اور تسلیم میں، کب فوجوں کی قوتوں کو دیکھ کر، کب، جب منافقوں کے دل اکھڑ چکے تھے، جب ان کے کلیجے منہ کو اچکے تھے۔ تو ایسے موقع پر صاحبانِ ایمان یہ کہہ رہے تھے کہ ہم تو تسلیم کی منزل پر ہیں، ہم کو مرضی مولا چاہیے۔

دوسرا مقام سورہ نساء، کہ جہاں بتلایا کہ دیکھو! تسلیم کی منزل ہے ”فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔“ (سورہ نساء، آیت ۶۵) ”نہیں ہے، تیرے رب کی قسم وہ صاحبِ ایمان نہیں ہے، جب تک کہ تجھ کو اپنے مسائل میں حکم نہ بنائے، اور جب تو کوئی فیصلہ کرے تو اس فیصلہ کو اپنے دل سے قبول کرے۔ وہ فیصلہ ان کے دل پر گراں نہ ہو، بار نہ بنے، اور تسلیم کرے تجھ کو جو حق تسلیم کرنے کا ہے۔“

سورہ احزاب میں تسلیم، سورہ نساء میں تسلیم۔

اب تیسری منزل یہ ہے۔ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا • (سورہ احزاب آیت ۵۶) ”بیشک اللہ اور اُس کے ملائکہ رسول پر رحمتوں کو نازل کرتے ہیں، اللہ رحمت نازل کرتا ہے اور ملائکہ رحمت طلب ہیں۔ اور اے صاحبانِ ایمان! تم بھی رسول کے لیے رحمت کو طلب کرو۔“

یہاں تک تو بات ختم ہوئی مگر عمل بتلایا، تسلیم کرو، جو حق تسلیم کرنے کا ہے۔ حق تسلیم کیا ہے؟ مسلمان کے لیے تسلیم کی منزل کیا ہے؟ کہ وہ اس طرح سے تسلیم کرے جو حق ہے تسلیم کرنے کا۔ یا پھر جس طرح سے صاف ترجمہ کرنے والوں نے ترجمہ کیا ہے خصوصاً



انگریزی کے ترجمہ کرنے والوں نے انگریزی زبان کے۔ انھوں نے کہا اس کو سلام کرو جو حق سلام کرنے کا ہے، دونوں صورتوں میں سلام ہو یا تسلیم اس کے معنی یہ ہیں کہ نبی کو ماتلے، نبی کو تسلیم کرنا ہے۔

چنانچہ اب اس آیت کے پہلے اور اس آیت کے بعد، جس کی میں نے تلاوت کی وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ لَا قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَارَادَهُوَ إِلَّا إِيْمَانًا وَتَسْلِيمًا (سورۃ الاحزاب آیت ۲۲)

اس آیت کے لیے ایک سباق ہے، ایک سیاق۔ اس سے پہلے ہے، ایک بعد۔ پہلی آیت یہ ہے۔ "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (احزاب آیت ۲۱) "تمہارے لیے اللہ کے رسول کی ذات گرامی بہترین نمونہ ہے۔ اور تیسری آیت جو اس کے بعد ہے وہ یہ ہے۔ "مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَلُوا تَبَدُّلًا" (سورۃ الاحزاب آیت ۲۳)

"صحابان ایمان میں وہ لوگ بھی ہیں۔ وہ مردانِ خدا بھی ہیں، صحابان ایمان میں وہ رجال ہیں کہ جو اپنے وعدوں کو سچا کر دکھاتے ہیں۔ ان میں مرنے والے مرچکے انتظار کرنے والے انتظار کر رہے ہیں، کبھی ان کی فطرت نہیں بدلتی، کبھی ان کی حاجت نہیں بدلتی، کبھی ان کی نیت نہیں بدلتی، کبھی ان کی کیفیت باطنی نہیں بدلتی۔"

یہ تین آیتیں ہیں سورۃ احزاب کی۔ پہلی آیت میں یہ ذکر ہے کہ رسول کی ذات گرامی میں اسوۂ حسنہ ہے۔ دوسری آیت میں یہ ہے کہ لشکر پہ لشکر آئے ہمارے

ایمان اور تسلیم میں اضافہ ہوا اور تیسری آیت میں یہ ہے کہ کچھ لوگ مر گئے اور کچھ لوگ انتظار کر رہے ہیں۔ اب ان تین آیتوں کو ملا کر پڑھیے۔

پہلی آیت حکم بنی ہوئی ہے، حکومت کر رہی ہے کہ رسول کی ذات میں یہ ساری چیزیں موجود ہیں رسول کی ذات میں، رسول کے اسوۂ حسنہ میں استقامت بھی ہے، قیام بھی ہے، بے خوف زندگی بھی ہے، لشکروں کو دیکھ کر سکون و اطمینان کی کیفیت بھی ہے۔ رسول قرآن کا رسول، رسول مسلمانوں کا رسول، رسول ملت اسلامیہ کا رسول، جن کے متعلق کبھی کبھی یہ سوچا جاتا ہے کہ مدینے میں آئے تو طبیعت میں جارحیت آگئی اور مکہ میں رہے تو خاموش رہے، صلح جو رہے، کوئی لڑائی نہیں ہوئی، کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ یہ تصور قرآن کے اعتبار سے انتہائی غلط ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں ایک سوچودہ سورے ہیں، ایک سوچودہ سورے ہیں قرآن میں اور اس میں آپ کو تعجب ہوگا کہ بہت کم سورے ہیں جو مدنی ہیں اور باقی سب مکی سورتیں ہیں۔ یہ سورہ ہائے طوال مدنی ہیں۔ سورہ بقرہ ہے سورہ آل عمران ہے۔ اور اسی طرح سے آپ آگے بڑھتے جائیں گے۔ تو جو سورہ طوال ہیں وہ مدنی سورتیں ہیں مدینے میں نازل ہوئیں اور عموماً آپ دیکھیں گے کہ جو مکی سورتیں ہیں، ان کے میں نازل ہونے والی سورتیں ہیں۔ ان کا عالم یہ ہے کہ ان میں الفاظ میں جدالت، جنگ کے جلال سے زیادہ ہے۔ ان میں الفاظ میں جدالت، غصہ، جوش، دھکیاں، تنبیہ مدنی سورتوں سے کہیں زیادہ ہے۔ آپ اگر تجزیہ کرتے ہیں، ان تمام سورتوں کا، تو صرف دو تین سورتوں پر غور کیجیے۔

پہلی سورت، سورہ علق۔ اس میں جلال دیکھیے، اکیلا نبی کفار قریش کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے۔ ہاں! انسان کا پیٹ جب بھرتا ہے تو وہ کفر کی طنز مائل ہو جاتا ہے۔ اور جلال کے الفاظ كَلَّا لَتُنْكُرُنَّ لَوْ يَنْتَهِ (سورہ علق آیت ۱۵)



جیب! کہہ دو اگر یہ باز نہیں آئے گا " لَنْسَفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ  
كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝ (سورہ علق آیت ۱۵-۱۶)  
" تو ہم اس کی پیشانی پر کڑھ کر کھینچیں گے۔ جوٹی پیشانی، خطا کار پیشانی، گمراہ کرنے والی  
پیشانی۔ پہلا سورہ، پہلی وحی۔ جلال کا یہ عالم۔!

دوسری وحی نون والقلم، اور بلا رعایت ارشاد ہوا، جس کو آپ نے  
محفوظ بھی کیلئے اپنے دماغوں میں کہ: خبردار! اے رسول! " وَلَا تَطْعُ كُلَّ  
حَلَاظٍ مَّهِينٍ ۝ هَذَا مَشَاءُ بَنِيكُمْ ۝ مَنَاجٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ  
أَيْتِيمٍ ۝ عَتِلٌ ۝ بَعْدَ ذَلِكَ رَنِيمٌ ۝ (سورہ القلم آیات ۱۰-۱۳)  
پیغمبر! سہتان تراشنے والے کی (زیادہ قسمیں کھانے والے کی) اطاعت نہ  
کرنے، گنہگار کی اطاعت نہ کرنا، حد سے آگے بڑھنے والے کی اطاعت نہ کرنا، پیغمبر کی  
نیکیوں میں حائل ہونے والے کی اطاعت نہ کرنا، اور پھر جس کا نسب صحیح نہ ہو اس کی  
اطاعت نہ کرنا، اور پھر جو ہٹ جائے اپنے راستے سے اپنے محل سے، اپنی غلطیوں سے  
اپنے خواہشات نفس سے، اس کی اطاعت نہ کرنا۔

یہ سورہ نون والقلم اور یہ سارے الفاظ کہ اگر آج کوئی عرب دوسرے  
عرب کو ان الفاظ سے یاد کرے تو تلواریں کھینچ جائیں گی، مگر اکیلا نبی صنادید قریش کو خطا  
کر کے آیتیں پڑھ رہا ہے۔

تیسری وحی سورہ مدثر۔

" كَلَّا وَالْقَمَرَ ۝ وَاللَّيْلَ إِذَا ذَبَرَ ۝ وَالصُّبْحَ إِذَا  
أَسْفَرَ ۝ إِنَّهَا إِلَّا حُدَى الْكُفْرِ ۝ نَذِيرٌ لِلْبَشَرِ ۝  
لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ۝ كُلُّ  
نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝ إِلَّا الْوَالِدُ الْيَمِينُ ۝

فِي جَنَّتٍ تَنْتَسَاءُ لُونًا ۝ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۝ مَا سَلَكَكُمْ  
فِي سَقَرٍ ۝ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ (سورہ مدثر آیات ۳۳-۳۴)  
یہ سلسلہ ہے آیتوں کا کہ جب سب جہنم میں چلے جائیں گے اور ان سے

پوچھنے والے پوچھیں گے کہ تم کیوں آئے؟ تو کہا ہم نے نماز نہیں پڑھی تھی، اور۔  
وَلَمْ نَكُ نَطْعُمُ الْمُسْكِينِ ۝ (۳۴) ہم نے مسکین کو کھانا نہیں کھلایا تھا  
وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَاطِرِ ضَيْقًا ۝ (۳۵) شر اور سہسی اڑانے والوں  
کے ساتھ مل کر رسول کی ہسی اڑایا کرتے تھے۔ ایسے موقع پر ارشاد فرماتے ہیں۔

" قَالَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ۝ (مدثر آیت ۳۶)۔  
کیا ہو گیا انہیں، یہ تذکرے سے کیوں بھاگ رہے ہیں؟ كَانَهُمْ حُمُزٌ  
مُسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَزَرْتُ مِنْ قُسُورَةٍ ۝ (مدثر آیت ۵۰-۵۱) تیسری  
وحی، اور عرب کے وہ قبائل۔ وہ عرب کے گدھے، وہ عرب کے سردار جو ایک شیر  
سے بھاگ رہے ہیں۔ قُسُورَةُ جمع کا صیغہ نہیں ہے۔ واحد کا صیغہ ہے، ایک شیر  
ایک شیر۔

کسی نے امیر المؤمنین سے پوچھا، مولا! آپ نے اپنے آپ سے بڑھ کر بھی کسی  
کو شجاع پایا؟  
کہا، ہاں، مجھ سے زیادہ شجاع، وہ میرے بھائی تھے، اللہ کے رسول تھے،  
محمد عربی تھے۔

آپ نے دیکھا، اب اس کی اصلاح کیجیے۔ جارحیت طلب نہیں ہے۔ وہاں  
جارحیت تھی، یہاں صلح جوئی تھی۔ ایسا نہیں ہے پیغمبر اعلان حق کے لیے آیا ہے۔ اگر قیام  
حق کے لیے تم میں دل دکھتا ہے کافروں کا، تو دیکھو۔ مزین میں دل دکھتا ہے تو دیکھو اگر  
یہاں قیام حق میں کافر آستین چڑھاتے ہیں اور الباطل سے کہتے ہیں کہ الباطل!



بھتیجے کی خبر لو۔ تو ابوطالب یہ نہیں کہتے کہ بیٹے! تم جو کام کر رہے ہو صحیح ہے مگر کوئی درمیانی راستہ اختیار کرو نا۔

کیا یہ کہا ابوطالب نے کہ کوئی درمیانی راستہ اختیار کر لو؟ کیوں ان کو بُرا کہتے ہو؟

”نہیں“ کہا بیٹے! جو آپ چاہیں جس طرح سے آپ چاہیں تبلیغ کریں۔ بیٹے کو نہیں روکا۔ مگر اس طرف کہا کہ ”خبردار! خبردار! اگر کسی نے اپنی نگاہ کو بدلنے کی کوشش کی تو وہ ابوطالب کے مقابلے کے لیے تیار ہو جائے۔“

بھتیجیا ایسا اچھا ایسے!!!

اب آپ دیکھتے ہیں یہ کتنی زندگی۔ یہیں خیر بھی ہے یہیں خدق بھی ہے یہیں حنین بھی ہے، یہیں بدر بھی ہے۔ اس کی بنیادیں سب مکہ میں ہیں آپ یہ نہ سمجھیے گا کہ مدینہ میں جا کر نبی بدل گیا۔ نہیں جو مکہ میں تھا، وہی مدینہ میں تھا۔ کیوں فقط اس لیے کہ پہلی مرتبہ تسلیم کی منزل ختمی مرتبت نے اپنی گردن کو جھکا دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ:

إِنِّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ •  
لَا شَرِيكَ لَهُ • وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ •

(سورۃ النعام آیات ۱۶۲-۱۶۴)

”بیشک میری نماز، اور میری عبادت، اور میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو عالین کا رب ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں، اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اور پہلا مسلم تو میں ہوں،“ تسلیم کی منزل پر تہیں ہوں۔

آپ نے دیکھا کہ یہ وہ نبی ہے کہ یہاں وقت کے ساتھ کیفیت نہیں بدلتی آغاز تسلیم، انجام تسلیم، مکہ میں تسلیم، مدینہ میں تسلیم، ہجرت کے موقع پر تسلیم اور پھر بدر میں جو کہ اُس خدق ہو کہ خیر، وہ حنین کی منزل ہو یا سورۃ برأت کی آیتوں کا لے جانا، تسلیم، تسلیم

ایسے رسول نے یہ چاہا کہ تسلیم کا پیغام جائے۔ نو اسے کو پالا اور سینے سے لگا کر کہا، حُصَيْنٌ مَعِي وَأَنَا مِنَ الْخَصِيْنِ۔ حُصَيْنٌ مجھ سے ہے اور میں حُصَيْن سے ہوں تسلیم۔ حُصَيْنٌ تسلیم کی منزل ہے اور یہ وہی منزل ہے کہ جہاں فاطمہ کلال آخری سبہ میں آج روز عاشور یہ ہی کہتا ہے۔

صَبْرًا عَلَىٰ بَلَاءِكَ وَتَسْلِيمًا لِأَمْرِكَ وَرِضًا بِقَضَائِكَ  
میں تیرے حکم کے سامنے تسلیم کر رہا ہوں تیری رضا پر راضی ہوں تَسْلِيمًا  
لِأَمْرِكَ يَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيثِينَ۔ اے بے پناہ ہوں کو پناہ دینے والے،  
اور یہاں سجدہ کیا۔ یہ تسلیم کی منزل تھی۔

میر تقی میر نے کہا:

زیرِ شمشیرِ ستم میرِ تڑپنا کیسا • سر بھی تسلیمِ محبت میں ہلایا نہ گیا  
سجدہ کیا تسلیم کا سجدہ تھا اور تسلیم کے سجدے میں جان تھی تو یہ پہلے  
معنی ہیں اور اگر تسلیم کے معنی وہ ہیں جو کہا سلام کرو، جو سلام کرنے کا حق ہے تو پھر سلام  
کرو۔ سَلَامٌ عَلٰی نُوُجٍ فِي الْعَالَمِينَ۔ عالَمین میں نوح پر سلام۔ سَلَامٌ  
عَلٰی اَبْرَاهِيْمَ، اِبْرَاهِيْمَ پر سلام، سَلَامٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهَارُوْنَ۔ موسیٰ  
اور ہارون پر سلام۔ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادَةِ الذِّیْنِ اصْطَفَا۔ اللہ کے مصطفیٰ  
بندوں پر سلام۔ حُصَيْنٌ ہمارا سلام قبول ہو۔ ہمارا سلام قبول ہو فاطمہ کی جان!  
یہ سو گوار جمع ہیں جہاں جہاں آواز جا رہی ہے وہاں وہاں سب سلام کریں حُصَيْنٌ کو  
سلام، عباس کو سلام، علی اکبر کو سلام، عون و محمد کو سلام، نہیں آگے بڑھ کر عابد تیار کو سلام ہائے  
ثانی زبیر اکی خدمت میں سلام، بی بی ام کلثوم کی خدمت میں سلام، سلام ہمارا ان سروں پر چن چادریں  
چھین لی گئیں، سلام ہمارا ان رخساروں پر چن چادریں لے گئے، سلام ہمارا ان بی بیوں پر جو چلے  
ہوئے خیموں سے گھبرا گھر اگر بچوں کو نکال رہی تھیں۔



## حجّت الہی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَلِمًا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَآلِ يُونُسَ وَهَارُونَ وَمُوسَىٰ وَآلِ هَارُونَ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ دَاوُدَ وَآلِ دَاوُدَ (۱۶۳) وَمِنْ سُلَاطَةٍ قَسَمْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ سُلَاطَةٍ نَقَضْنَاهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكَلِّمًا مِمَّنْ سَلَّطَا مَبَشُرَيْنِ وَمُنْذِرَيْنِ لِيَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ التَّوَسُّلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا (سورہ نوح ۱۶۴-۱۶۵)

میں حجّت الہی کے عنوان پر گفتگو کر رہا ہوں۔ یہ سورہ نوح کی آیات ہیں یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے تیری طرف وحی کی۔ جیسے نوح کی طرف اور نوح کے بعد جو انبیاء آئے۔ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، موسیٰ، یونس، ہارون، سلیمان، داؤد اور داؤد کو ہم نے زبور عطا کی۔ اسی طرح سے ہم نے مسیحی طرف وحی کی، ہم نے بہت سے رسول بھیجے جن کا حال تم سے پہلے ہی بیان کر دیا اور بہت سے ایسے رسول بھیجے جن کا حال تم سے پہلے بیان نہیں کیا اور ہم نے اسی طرح موسیٰ سے بہت سی باتیں کیں۔ ہم نے ڈرنے والے رسول بھیجے، ہم نے بشارت دینے والے رسول بھیجے فقط ایک مقصد تھا کہ رسولوں کے آجانے



کے بعد پھر انان اللہ کے سامنے کوئی حجت نہ کرے کہ ہمارے پاس کوئی بادی یا تیری کبھی ہوتی حجت نہیں آتی یہ ہمارے پاس تیرا کوئی بادی نہیں آیا۔ ہم اس حجت کو ختم کرنا چاہتے تھے اس لئے یہ سلسلہ نبوت اور اس سلسلہ وحی کو باقی باقی رکھا۔

اور جب تیری طرف ہم نے وحی کی، تجھ کو خاتم بنایا تجھ کو آخر بنایا، تجھے اشرف المخلوقات بنایا، انسان کو کائنات کا شرف بنایا اور انسان کا شرف تجھ کو بتایا۔ بخوبی عالم میں سب سے بہتر۔ یعنی ایسا معلوم ہو گا کہ اگر ہمارا مقصد عالم تجرید میں ہے تو وہ مقصد مجسم ہو امور تہمید میں۔ ارشاد ہوا الَّذِیْنَ یَسْتَعِیْنُ اللّٰہَ سُوْلَ الْاٰیْمِ الَّذِیْنَ یُحَدِّثُوْنَ مَا کُنُوْا بِعِنْدَہُمْ فِی السَّوْرِاتِ ۝ وَ اِلَّا یُخْلِیْ یَاْمُہُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْہٰہُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ یُحِلُّ لَہُمْ الْیَقِیْنِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْہِمْ الْخَبَیْثَ وَ یَنْصُرُہُمْ اَصْرَہُمْ وَ اَلَا غُلَّ الشَّیْءُ عَلَیْہُمْ ۝ (سورہ اسراء ۱۵۷) وہ لوگ جو رسول کی پیروی کرتے ہیں اس کا ذکر توریت میں بھی پاتے ہیں۔ اس کا ذکر انجیل میں بھی پاتے ہیں اس کا کام یہ ہے کہ وہ طیب چیزوں کو حلال کرتا ہے۔ اور خبیث چیزوں کو ناپاک چیزوں کی حرمت کا حکم دیتا ہے، تمہارے کاندھوں سے بوجھ ہٹاتا ہے، جن زنجیروں میں تم گرفتار تھے ان زنجیروں سے تم کو الگ کرتا ہے۔ اس کو یہ اختیار ہم نے دیا ہے کہ قیام قیامت تک کا جائزہ لے کر جس چیز کی حقیقت کو بہتر پائے، اس لئے کہ اس نبیؐ نے دعا کی تھی کہ اے پروردگار مجھے حقیقت اشیاء دکھا۔ تو یہی کہہ سکتا ہے کہ یہ حلال ہے اس میں حرمت کا پہلو نہیں یہ حرام ہے اس میں عزت کا پہلو نہیں۔ یہ حجت الہی بن کر آیا اور قرآن مجید اس کا قلعہ بن گیا۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کی توصیف کی اور یہ بتانے کی کوشش کی کہ

یہ وہ نبیؐ ہے کہ جہاں ہم نے اس کو اپنی مرضی کا نمائندہ بنا کر اور پھر ایک ایسی منزل سرخراہ کر دی کہ اس کا نطق وحی بن گیا ارشاد ہوا اَوْ اَمَّا یَنْطَلِقُ مِنَ الْحَیْیِ سُوْرَةُ النِّعَمِ ۝ ۳۸ اور وہ تو اپنی نفسانی خواہش سے کچھ بروت ہی نہیں۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی (سورہ النجم ۳۸) یہ تو وحی ہے جو اس پر بھیجی جاتی ہے۔ یعنی کہ وہ ہوا و ہوس سے بات نہیں کرتا تو بادی کا فریضہ کیا ہے۔ بادی کا فریضہ یہ ہے، بادی کا کام یہ ہے کہ لوگوں کی ہوا و ہوس کو، ہدایت کی طرف لائے جب کہ دنیا ہدایت کو ہوا و ہوس کی طرف لے جاتے۔

بادی کا کام یہ ہے کہ جب وہ چاہتا ہے انسانیت کی رائے کو قرآن کا پابند کر دیتا ہے۔ جب دنیا یہ چاہتی ہے کہ قرآن، انسان کی رائے کا پابند ہو جائے یہ بادی کا کام ہے اور اس فریضہ کو ادا کرتا ہوا چلا اور اس کے بعد اس کو تسلی دے دی گئی آخر کہا کہ اے حبیب! ایک بات ہے تم کو ایک چیز کا ڈر ہے اور ہم بھی اس کے متعلق پہلے ہی کہہ دیتے ہیں۔ ارشاد ہوا اِنْ یَّکْذِبُوْکَ فَقَدْ کَذَّبَتْ قَبْلَہُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَ عَادٌ وَ ثَمُوْدٌ وَ قَوْمُ اِیْمٰنٍ وَ قَوْمُ لُوْطٍ ۝ وَ اَمْحَبَّ مَدَیْنِیْنِ وَ کَذَّبَ مُوسٰی فَاَمْلٰیئِشَ فَلَکَیْزِیْنِ ثُمَّ اَخَذَ قَہْمٌ فَلَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرٌ نَّکَیْیْنِ مِّنْ قَوْمٍ یَّہْدٰیہُمْ اِلَیْہِا وَ یُضَلُّوْنَ عَنْہِا وَ یُخٰوِیْنَ اَمْلٰیئِشَ مَعْلُوْمٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ وَ قَسْرٌ مَّشِیْنِ ۝ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنُ لَہُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ ۝ اِذَا اَلَّ بِسَمْعُوْنَ یُحٰۤی ۝ فَاِذَا لَآ تَعْمٰی الْاَہْبَاسُ وَ لَکِنْ تَعْمٰی الْقُلُوْبُ ۝ اَلَمْ یَکُنْ فِی الْقُرْاٰنِ ۝

(سورہ حج آیت ۲۴ تا ۲۸) یہ سورہ حج ہے اور اگر یہ تجھے جھٹلائیں اور اگر یہ تیری تکذیب کریں اگر یہ تجھے سچا نہ مانیں، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم کو جھٹلایا تو جن جن پر ہم نے وحی کی تھی پھر تم سے پہلے انھوں نے نوحؑ کو جھٹلایا ہے، ابراہیمؑ کو جھٹلایا ہے، انھوں نے صالحؑ کو لوٹ کو اور موسیٰؑ کو جھٹلایا ہے، میں نے ان کو ہدایت



دی مگر جب ہم نے ان کی گردنیں پکڑ لیں جب ہمارے پیچھے قدرت میں وہ آئے تو ہم نے دیکھا کہ ہم نے کیا کیا، ہم نے کتنے شہر تباہ کر دیئے، کتنے تمدن تباہ کر دیئے۔ کتنی تہذیبیں تباہ کر دیں، کنوئیں تھیں سنان اور ویران، مکانات تھے اٹے ہوئے جن کی چھتیں زمین پر پڑی ہوئی تھیں، سارے تمدن ہم نے تباہ کر ڈالے، اس لئے کہ انھوں نے حجت الہی کو نہ مانا تھا، انھوں نے حجت الہی کو ٹھکرایا تھا، انھوں نے حجت الہی کی توہین کی تھی، ہم کچھ بہت دیتے ہیں اس بہت کو اگر کوئی ملوکت سمجھ لے اس بہت کو اگر کوئی شاہی سمجھ لے تو اور بات ہے مگر ہم نے تو بہت دی تھی کہ دیکھو جتنیں ہماری آجکی ہیں مخلوق کو پیدا کیا تو بے راہ جانے کے لئے پیدا نہیں کیا، مخلوق کو پیدا کیا ہے تو اس واسطے نہیں کہ ان کو نشان اپنی منزل کا نہ بتلائیں، نبی پر نبی بھیجے، ہم نے رسول بھیجے کہ ہم نے اپنے قول کو عمل دے دیا ہے کہ ایک کے بعد ایک آیا اور ایک کے بعد ایک حجت الہی آئی۔ کتابیں آئیں، اور اگر اس کے بعد بھی تیری تکذیب کریں اور تجھے جھٹلائیں تو گھبرانا نہیں اور دلوں کو بھی جھٹلایا گیا ہے۔ اور ہم نے بہت دے کر سزا دی تو مخالف کا ایک نوری دن ہزاروں برس کے برابر ہوتا ہے ارشاد ہوا: **وَإِنَّ يَوْمًا مِّنْكَ مَا يَكْفِي سِتًّا مِّنَ الْعُقُودِ** دوسرہ ج آیت، ہم تمہارے رب کے ہاں کا ایک دن تمہارے شمار کے ہزاروں برس کے برابر ہوتا کرتا ہے یہ معلوم نہیں کتنی بہت دے اور معلوم نہیں کب تک اک مرتبہ کاس کے پیچھے قدرت میں سب آجائیں، یہی وہ منزل ہے کہ بدترین گناہ انسانیت کا تکذیب رسول ہے تکذیب حجت ہے، تکذیب آیات الہی ہے۔

ارشاد ہوا: **إِنَّ الْكَافِرِينَ لَكُفْرًا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ يَسْئَلُونَ** دال عمران آیت ۸، بدترین عذاب ہے ان کے لئے جو اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑائیں

جو اللہ کی آیتوں کی توہین کریں، یہ حجت الہی بن کر آئے اور یہ بتلایا کہ اتنا اختیار ہے کہ آیا ہوں کہ جو چاہوں وہ کہوں جس راتے پر ڈال دوں اسے مانتا پڑے گا۔ اور پھر یہ اختیار مجھے سلسلے سے ملا ہے، آدم کو ملا، نوح کو ملا، ابراہیم کو ملا، موسیٰ کو ملا، ایوب کو ملا، سلیمان کو ملا، داؤد کو ملا، سب کو ملا مجھے ملا اور اگر یہ اختیار میں کسی کے حوالے کروں تو اس یقین کے ساتھ حوالے کروں گا کہ کس کو اپنا بدل بناؤں، کس کو اپنی بنیت کی منزل پر لاؤں تو یقیناً مجھے اس بات کے بتانے کا حق ہے کہ حجت الہی کے بغیر جو نیک زمانہ نہیں رہتا اس لئے اگر بہت ملے تو کوئی آکر پھر سمجھائے، کوئی آکر پھر بتلائے، اس واسطے اپنی گود میں پرورش کر کے میں نے امت کے حوالے کیا ہے حسین کو، یہ مقام بنیت ہے، حجت الہی بن کر آیا ہے۔ اسی منزل پر اقبال کو کھتا پڑا۔

درمیان امت آل کیوں جناب

بچو حرفِ قل ہو اللہ در کتاب

حسین امت کے درمیان ایسے ہیں جیسے قل ہو اللہ قرآن کے درمیان ہے حسین نے یہ بتلادیا کہ تکذیب آیات الہی کا انجام بڑا دردناک ہے حسین بیغام رسول کو آئے بڑھانے والے ہیں حسین مقصد رسول کو باقی رکھنے والے ہیں حسین حجت رسول کی دلیل ہیں حسین نے واضح کر دیا کہ جس کو حلال کی ختمی مرتبت نے اب وہ قیامت تک حلال ہے، جس کو حرام کیا تھا وہ قیامت تک حرام ہے اب شاہی کو اس امر کی اجازت نہیں دی جائے گی، اب ملوکیت کو اس امر کی اجازت نہیں دی جائے گی، اب ملوکیت کو اس امر کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ قرآن کو رائے کا پابند کر دے، وہ قرآن کو اپنی ہوس کا پابند کر دے اس لئے کہ میں حجت الہی کی جگہ ہوں۔ جہاں کہ اقبال کہتے ہیں



چوں خلافت رشتہ از قرآن گینخت  
حریت را از ہر اندر کام ریخت

خاست آل سر جلوہ خیر الامم  
بر زمین کربلا یاد و رفت  
لہ درویرانہ با کارید و رفت

تاقیامت قطع استبداد کرد  
موج خون او چمن ایجاد کرد

جب مسلمانوں کی خلافت نے قرآن سے رشتہ توڑا اور ملکیت کی بنیاد  
پڑی تو قرآن ناطق کا نواسہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنا خون دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے  
استبداد کے زور کو توڑ دیا کیا خوب بادل تھا کہ محراتے کربلا میں برسا اور ویرانہ میں  
لالہ کاری کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گلشن اسلام کی سیرابی کا سامان کر دیا۔

حسین ابن علیؑ نے کربلا میں اس انداز سے قیام کیا اور اس قیام کی منزل  
پر امام کا یہ ارشاد کہ اگر محمدؐ کا دین بغیر میرے نکلے قائم نہیں رہ سکتا تو اسے تلوار  
میرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو،

ان کان دین محمد لم یستقم  
الا بقتلی یا سیوف خزینی

اولین و آخرین میں کسی نے یہ آواز نہیں دی کہ اگر دین محمدؐ میرے قتل کے  
قائم نہیں ہو سکتا تو اسے تلوار میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دو، مجھ پر حملہ کرو اور مجھے  
تم جس طرح سے چاہو زخمی کرو، جس طرح سے چاہو لہو بہاؤ، جتنے عزیزوں کو چاہو  
قتل کر ڈالو، مگر میں چاہتا ہوں کہ دین محمدؐ رہ جائے۔

اور دین محمدؐ رہ گیا زہر کا بھرا گھرانہ کربلا میں کٹ گیا، ان میں ایک چھ

مدینہ والا بھی تھا، کون؟ وہ باب کا لال علیؑ، شہادت غلطی پر ایک کتاب  
حسینؑ نے لکھ دی۔ بہت غور سے سنتے جاتے، ۲۸ء جب کو مدینہ سے سفر کیا  
تیسری شبان کو مکہ پہنچے، مدینہ سے نکلے ہوئے خطبہ دیا، مکہ میں پہنچ کر خطبہ  
دیا۔ ۸ رذی الحج کو مکے سے چلے خطبہ دیا، راستے میں خطبہ دیا، دوسری محرم کو کربلا  
پہنچے خطبہ دیا، نویں محرم کو خطبہ دیا، حسینؑ نے ایک کتاب لکھی، جس میں ابواب  
قائم کئے، یہ باب شہادت عباسؑ ہے، یہ باب شہادت عوفؑ و محمدؑ ہے، یہ باب  
شہادت قائم ہے، یہ باب شہادت علیؑ اکبرؑ ہے۔ اب کتاب شہادت جب ختم  
کے قریب آئی تو اس کتاب کا آخری باب تھا، چھ بیٹے کے بچے کی شہادت۔

پیارے صاحب رقید مرحوم، میر انیس کے نواسے، مشہور شاعر، مشہور مرثیہ گو  
مشہور رباعی گو، شاعر، بہترین سلام پیارے صاحب رشید نے کہے ہیں، ایک  
شعر سلام میں کہا اگر آپ یاد رکھ سکیں

یہ سمجھ کر لے گئے ہمراہ اصغر کو حسینؑ

قید میں بانو سے یہ بچہ نہ پالاجا تیگا

شہزادے کے متعلق بہت سی باتیں ہیں، مگر میں اس منزل پر یہ عرض کرونگا  
کہ دل اور ایم رباب کا دل، بچہ پیاسا تھا، ماں نے باپ کے حوالے کر دیا، حوچ  
بہت تیز تھی، حسینؑ نے علیؑ اصغر کو عبا کے دامن میں چھپا لیا تھا۔ بچے کو لے  
کر فوج شام کے سامنے آئے، میرا علیؑ اصغر پیاسا ہے اسے تھوڑا پانی پلا دو۔  
میرا انیس مرحوم کہتے ہیں۔

صدے سے پیاس کے رخ مصوم تھا جو زرد

حضرت نلک کو دیکھ کے بھرتے تھے آہ سرد

بچکی جب اس کو آتی تھی اٹھتا تھا دل میں درد



آنسو رواں تھے آنکھوں سے رخ پر جمی تھی گرد

پانی کی جستجو تھی شہ خوش مسافت کو

نکلتے تھے چشم یاس سے نہرِ فرات کو

اس منزل پر کہا علیؑ اس غمِ حجتِ الہی کے سپر ہو، علیؑ اس غمِ ان پر حجت کو تمام کرو،

دیکھنا آپ نے یہ ہے حجتِ الہی جو بیٹے سے کہہ رہا ہے، میرے لال ان پر حجت کو تمام

کرو، بچے نے خشک زبان سو کھے ہوئے ہونٹوں پر پھیری، یہ علیؑ اس غم کا جہاد تھا،

لشکر کے لوگ منہ پھیر کر رونے لگے، اس منزل کے لئے مرحوم قرعہ جالوی نے شکر کہا تھا

اس غمِ کلجہرِ مقام کے روتی ہے فوجِ شام

تم تیرکھا کے آتے ہو یا تیر مار کے

حرمِ حجتِ الہی کو یہ جواب دیا ط

تیرا بردگِ کان کو مارا

پھدھینے کی جان کو مارا

حسینؑ بچے کی لاش سینے سے لگائے ہوئے درخیمہ پر آئے، کبھی آگے

بڑھتے کبھی پیچھے ہٹتے اور ہر قدم پر کہتے جاتے۔ اِنَّا لَکُمْ رَاٰی اَلْیَوْمَ اَجْعُوْنَ

مِنْ فَاٰیْقَآئِہُمْ حٰکِمًا کَاْمِرًا

اور ایک مرتبہ عزم و ہمت کے ساتھ درخیمہ پر آواز دی، امّ ربابؑ اپنے

بچے کو لے جا، امّ ربابؑ درخیمہ پر آئیں تو بے اختیار حسینؑ نے کہا، امّ ربابؑ

میں کون ہوں؟ بی بی نے جواب دیا کہ آپ امامِ وقت ہیں، کہا ربابؑ جو کہوں گا،

صبر کرو گی؟ آپ میرے آقا ہیں۔ کھانا اچھا یہ امانت پروردگار ہے اسے گود میں

سنبھالو، اب پھر امّ ربابؑ کی گود میں ہے حسینؑ نے زیرِ قنات ایک نھی سی

لحد بنائی ایک چھوٹی سی قبر بنائی، ربابؑ لا میرے بچے کو مجھے دے دے،

ماں کی آنکھوں کے سامنے پھر دفن ہو گیا۔

مگر حسینؑ جب بچے کو دفن کرنے لگے، فرات کی طرف رخ کر کے عباسؑ

کو آواز دی، یہ بیٹے کو دفن کرتے ہوئے چھوٹے بھائی کو آواز کیوں دی؟

جب ختمی مرتبت کے فرزند ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تو رسولؐ نے علیؑ کو بلا

کر کہا، علیؑ باپ کے لئے یہ بہت مصیبت ہے کہ وہ بیٹے کو دفن کرے، علیؑ جاؤ،

میرے لال کو غسل و کفن دے کر تم دفن کرو، چھوٹا بھائی موجود تھا، بڑے بھائی

نے حکم دیا، چھوٹے بھائی نے بیٹے کو دفن کیا۔

حسینؑ تہارہ گئے علیؑ اس غمِ دفن ہو گئے ط

کہتے کہتے کچھ زبان بے زبانی رہ گئی

تیرکھا کے سو گئے اس غمِ کفانی رہ گئی



## عقل

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ارشاد ہر فصل آیت یَقُولُونَ (سورہ روم آیت ۳۸)

ہم عقل والوں کے لئے اپنی آیات مفصل بیان کرتے ہیں۔ جو ہر انسان عقل ہے اس لئے انسان اپنے ہر عمل میں تابع عقل ہوتا ہے۔ اس کا خواب و بیداری اس کی صحت و مرض۔ اس کا سکون و اضطراب، وسائل رزق کی تلاش، توالت و تاسل غرض اس کا ہر حکم عقل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ حیوانات سے ممتاز ہے۔ درالخالیکہ بھی تمام اعمال حیوانوں سے بھی متعلق ہیں۔ انسان کو حیوان اس لئے نہیں کہتے کہ وہ زبور عقل سے آراستہ ہے۔ جس طرح انسان تابع عقل ہو کر اپنے ہر عمل میں حیوانات سے ممتاز ہے۔ اسی طرح نبی تابع وحی ہو کر اپنے ہر کام میں دنیا کے انسانوں سے بلند ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ بشر مثلاً کہہ کر جنس کا اعلان کرتا ہے مگر وحی الہی کے منسل کے ساتھ حیوان و انسان میں فصل عقل ہے اور انسان وحی میں فصل وحی ہے۔ اور چونکہ وحی شارح اسرار حیات ہے اور وجود کی حقیقتوں کو منکشف کرتی ہے۔ اور ہم جو زمان و مکان کے اسیر ہیں۔ اسی وحی کی بدولت ہر غیب سے قریب ہو جاتے ہیں اس لئے صاحب وحی کو یہ ٹکڑ ہے کہ کہیں انسان اپنے عقل کو جذبات ہیجینیت و مودائیت کا تابع بنا کر جاہلیت کا شکار نہ ہو جائے۔ یہ

حقیقت ہے کہ جذبات انسان کے قوی ہیں۔ اگر یہ انسان ہوا دوس کی تندہ میں آجاتے اور خواہشات نفس کا پابند رہے تو وہ چونکہ صورت میں انسان ہی رہے گا اس لئے اگر وحی معیار عقل کو واضح نہ کر دے تو دوسرے انسان نہ اس خود کار انسان کی حیثیت سے آگاہ ہو سکیں گے اور نہ اپنے آپ کو مستند قوتوں کے اثر سے بچا سکیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ وحی ربانی نے مختلف مقامات پر انسانی عقل سے ایبل کی عقل و تعقل کی اہمیت کو واضح فرمایا۔

إِنَّا بِي خَلَقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنْ دَاخِلِ الْأَرْضِ وَالْأَنْفَالِ وَالْقُلُوبِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْوُجُوهِ  
بِمَا يَنْفَعُ الْبَشَرِ وَمَا أَنْزَلَ إِلَهُكَ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَخْبَاهَا بِأَنْبَاءٍ بَعْدَ أَنْبَاءٍ  
وَبَنَى فِيمَا بَيْنَ كُلِّ دَابَّةٍ مِنْكُمْ مَصْرَفًا مِنَ الرِّيحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ  
لَا يَأْتِيَنَّكَ الْقَوْمُ يَقُولُونَ (سورہ بقرہ ۱۶۴)

زمین و آسمان کی خلقت، رات اور دن کا اختلاف، دریاؤں میں کشتیوں کی فائزہ مند حرکت، بلند یوں سے پانی کا نزول، مردہ زمینوں کی دوبارہ زندگی ہر حیوان کی حیات ہواؤں کا تصرف، بادلوں کا زمین و آسمان میں سحر ہونا۔ ان سب میں نشانیاں ہیں مگر اس قوم کے لئے جو عقل سے کام لے

سورہ رعد اور سورہ روم میں دیگر مظاہر و نوا میں قدرت کو پیش کیا گیا اور پھر بھی ارشاد ہوا کہ یہ آیتیں عقل سے کام لینے والی قوم کے لئے ہیں سورہ حج میں ارشاد ہوا۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَكَيْفَ تَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِمَا أَوْفَدُوا أَنْ يَسْمَعُوا نَعْلًا  
فَإِنْ لَا تَعْلَى إِلَّا لِقَائِهِمْ وَكُنْ تَعْلَى الْقُلُوبِ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (سورہ حج آیت ۱۷)

کیوں وہ زمین میں سیر نہیں کرتے، زمین پر بسنے والوں کے ماضی و حال پر ان کی نظر کیوں نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کے دل تعقل کرتے۔ ان کے کان سنتے



اور محفوظ کرتے۔ اس لئے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں سینے میں دل اندھے ہو جاتے ہیں۔

سورۃ بقرہ میں ارشاد ہوا۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَتْلُو صُحُفًا لَا يَعْقِلُ يَتَّبِعُ الْآثَرَ بَلَاغًا وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَتْلُو صُحُفًا لَا يَعْقِلُ يَتَّبِعُ الْآثَرَ بَلَاغًا وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَتْلُو صُحُفًا لَا يَعْقِلُ يَتَّبِعُ الْآثَرَ بَلَاغًا

نہ مانتے والوں کی مثال یہ ہے کہ جیسے جانور جو سوا اس آواز کے اور کچھ نہیں سنا جس سے اس کو بلایا جائے۔ پھرے گونگے اور اندھے ہیں اس لئے کہ وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔

سورۃ انفال میں ارشاد ہوا۔

إِنَّ مَثَلَ الْمُشْرِكِينَ كَمَثَلِ الذِّبْنِ لَا يَقْدِرُونَ (سورۃ انفال آیت ۱۷) اللہ کے نزدیک جو پاؤں سے بذر وہ بہرے اور گونگے ہیں جو عقل نہیں رکھتے

سورۃ الملک میں ارشاد ہوا۔  
لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ (سورۃ الملک آیت ۱۱) اگر ہم سننے اور عقل سے کام لیتے تو ہم اہل جہنم سے نہ ہوتے۔

سورۃ حشر میں ارشاد ہوا۔

حَسْبُكُمْ جَبَلٌ مِّنْ ذَلِكُمْ فَانكَبْ يَوْمَئِذٍ الْكَافِرُ (سورۃ حشر آیت ۱۲)

تم خیال کرو گے کہ سب کے سب یک جان ہیں مگر ان کے دل ایک دوسرے سے پٹے ہوتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ بے عقل ہیں۔

فَبَشِّرْ عِبَادَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الْهَوَىٰ فَيَتَّبِعُونَ مَا هَوَّنَا عَلَيْكَ وَلَكُمْ آلَاءُ اللَّهِ وَلَهُمْ آسَافُ السُّمُومِ (سورۃ زمر آیت ۲۱)

بشارت دو میرے ان بندوں کو جو قول کو سنتے ہیں اور اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں ان ہی کی اللہ نے ہدایت کی ہے اور یہی صاحب عقل ہیں۔

انسان پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا اکرم یہ ہے کہ اس نے انسان کو عقل عطا

کر کے بند اور خدا کے درمیان اس کو محبت باطن قرار دیا کہ ربط اشیا کو دیکھ کر اور وحدت نظام و دوام انتظام عالم کا اندازہ کر کے کوئی ذی عقل انسان وجود باری کا منکر نہ بنے اور پھر اس پر لطف الہی یہ ہے کہ انسانوں میں سے ان بندوں کو

اختیار کیا جن کی عقل نابینا وحی ہو کر کبھی ہو اور ہوس کا شکار نہیں بنتی۔ ایسے بے اللہ اور انسانوں کے درمیان محبت ظاہری قرار پائے۔ اس لئے درس یہاں ہے

انسانی کو کتاب العقل سے شروع کرنا چاہیے۔ تاکہ عقل توحید کی طرف مائل ہو اور پھر فلاسفہ کل اس انسان کو اپنی پسند و ناپسند اپنی خوشی و ندامت کے اسرار سے

آگاہ کرے اور یہ علم و اطلالیہ آگاہی و خبر بندہ یحیٰ بنیاد انسانوں تک پہنچے پہلے پہل سادہ قوانین منطرت پر چلنے والا انسان بد عہدی، جھوٹ، ظلم، چوری، قتل کو

برا سمجھے والا نظر تادیب صنف کی طرف مائل ہوتا ہے اس لئے کہ عقلاً اسی میں اس کی اپنی اور جماعتی حفاظت اور ترقی کا امکان ہے۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلدِّينِ مُطَرًّا الشُّمُورَ وَأَكْرَمُ حَيْثُ فَوَّضَ إِلَيْنَا

مِنَ الْمُشُورِ كَلِمَةٍ (سورۃ الفام آیت ۹)

میں نے نکل کے پروردگار کی طرف توجہ کی ہے اور میرا رخ صرف آسمان و

زمین کے خالق کی طرف مستقیم ہے میں مشرک نہیں ہوں۔ ایک جہت راست ایک

سمت صحیح جب خالق کے لئے ہو۔ اور انسان اسی سمت پر حرکت کرے تو اس

انسان کی حیات عقل کا آغاز ہوتا ہے اور یہی حیات عقل عصمت و طہارت کی زندگی

ہے۔ حیات اخلاق و معنوی بن کر موت کے جنگل سے آزاد ہو جاتی ہے۔ زمان مکان



کی قید سے رہا ہو کر اس کا اثر و تاثر لا محدود ہو جاتا ہے۔

اِنِّیْ ذَا حِیْبٍ اِلَیْ رَبِّیْ سَبِّحْهُنِیْنَ (سورۃ الصافات آیت ۹۹)

میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں البتہ وہ میری ہدایت کرے گا۔ ہر آواز صرف ابراہیمؑ کی نہیں الٰہ ابراہیمؑ کے ہر شخص کی ہے جو ظلم سے دور رہا جس نے غیر حق کی پرواہ نہ کی جس کو کوئی ڈر نہ ڈرانہ سکا۔ اور نہ ملامت کرنے والوں کی ملامت اس کو راہ حق سے ہٹا سکی اور وہ فرما ابراہیمؑ آواز دیتا رہا

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَنُفْسِیْ وَنَکَّاتِیْ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَیْءٌ مِّثْلَ مَا ذَرَبْتُ لَکَ اَمْرًا وَّ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (سورۃ النعام آیت ۱۶۳-۱۶۴)

میری نماز و دعا میری اطاعت میری موت میری حیات سب اللہ ہی کے لئے ہے جو عالمین کا رب ہے جس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا اور میں پہلا مسلم ہوں۔ یہ تسلیم کی وہ منزل ہے جہاں ارادۂ محدود بشر ارادۂ لا محدود الہی کے تابع ہو گیا۔ اور یہی گذر گاہ ہے۔ جہاں تسلیم عقلی سے گذر کر انسان تسلیم قلبی کی منزل پر آتا ہے کہ سارے احساسات و عواطف تابع مرئی خالق ہو جاتے ہیں۔ اور مفادات ذاتی مصالح و فتنی اور تو جہات شخصی سے ایسا انسان بلند ہو کر ہر آن وہ ہر لحظہ مضوری خالق کی کیفیت کو محسوس کرتا ہے اس کا خواب و بیداری سب ایک ہو جاتی ہے جب وہ اپنے رب کی طرف جاتا ہے تو خداوند عالم اس کو ایک فرزندِ علیم کی بشارت دیتا ہے۔ اور جب وہ چلتے پھرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو ابراہیمؑ جیسا باپ اپنے خواب کا تذکرہ کرتا ہے کہ گویا میں تم کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر رہا ہوں۔ گویا یہ خواب میں بیداری ہے کہ بیٹے جو خود بیٹے ہے یہ کہا کہ آپکو جو حکم ملا ہے اس کو آپ پورا کریں۔ انشاء اللہ آپ مجھے ممبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

مَدَّ صَدَقَتُ التَّوْبَةَ یَا اِنَّا کَذَلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّ هَٰذَا اَلْکُفُّوۃُ النَّبِیِّ لَآءِ الْمُنِیْنِ وَنَدَّیْنَا مَوْبِذَ یُحْیِی عِلْمِیْمِ (سورۃ العنفت ۱۰۵-۱۰۶)

تسلیم قلبی کا کمال یہ ہے کہ راہ حق میں مرضی حق کو پا کر سب کچھ قربان کر دیا جائے اور ہر قربانی پر قلب اس آواز کو سنتا رہے مَدَّ صَدَقَتُ التَّوْبَةَ یَا اِنَّا کَذَلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّ هَٰذَا اَلْکُفُّوۃُ النَّبِیِّ لَآءِ الْمُنِیْنِ وَنَدَّیْنَا مَوْبِذَ یُحْیِی عِلْمِیْمِ (سورۃ العنفت ۱۰۵-۱۰۶) اس طرح راہ حق میں آئے بڑھنے والا سب کو چھوڑ کر اسی کی طرف جاتا ہے تو زمان و مکان سے بلند ہو کر قرب حق حاصل کرتا ہے۔ بَلَّیْ اَحْیَاۃُ عِیْسٰی رَبِّیْعِیْمِ یُذَرِّقُ نَوْنِ اَلْاِبْرَہِیْمِیْنِ مِیْنِ مَحْضِیْرِ اِبْرَہِیْمِ یعنی ذات ختمی مرتبت نے بھی چاہا کہ تسلیم کی منزل کامل ہو جائے اور جس کو وہ حینیت کی منزل عطا کریں اور جس کی شہادت ان کی اپنی شہادت ہے علمی و عقلی کے لئے ضروری ہوا یہ کو اس ذبح عظیم کے لئے پسند کریں۔ جس کی یاد آج مانتی جا رہی ہے۔ اور قیامت تک یہ یاد مانتی جاتی رہے گی۔ حسینؑ فاطمہؑ کے نورِ نظر حسینؑ، علیؑ کے لختِ جگر حسینؑ محمدؑ کے نواسے حسینؑ نے رسولِ تسلیم میں بیعتِ نرید سے انکار کیا۔ اور اِنِّیْ ذَا حِیْبٍ اِلَیْ رَبِّیْ سَبِّحْهُنِیْنَ بکھتے ہوئے ۲۸ رجب ۶۰ھ کو مدینے سے چلے۔ مال کی قبر، بھائی کی لحد، نانا کا مزار چھوڑا اور انکا وہ پاس سے مدینہ میں رہ جانے والوں نے امام کو دیکھا کہ دیکھیں اب مسافر کب آتے ہیں۔ ہر شعبان کو حسینؑ ابن علیؑ کو پیچھے، اس خیال سے کہ حاکمِ وقت کی نگاہ ذاتی مفادات کے سلسلے میں مکہ کا احترام باقی نہ رکھے گی۔ اور کہیں خانہٴ خدا کی حرمت ضائع نہ ہو۔ حسینؑ ابن علیؑ ابن عباسؑ سے یہ کہہ کر چلے کہ مناء کر بلا بیٹے کرو عداۃ طفلی ادا کرنا ہے اور سہ قرابینوں کو پیش کرنا ہے۔ ۸ ذی الحجہ کو مکہ سے کوچ کیا۔ ۹ ذی الحجہ کو سفیرِ آلِ محمدؑ سلم بن عقیل کے قتل کی خبر ملی۔ ۱۰ ذی الحجہ کو ہمیشہ تمار قتل کر دیئے گئے۔ ۱۲ محرم کو وعدہ گاہ پر فاطمہؑ کا لالہ پہنچا حسینؑ نے ایک



بستی ہائی خیمے لب ہوئے۔ لہر محرم سے لشکر آنے لگے۔ محرم کو پانی بند ہوا۔ گرمی کے دن بچوں کی پیاس، ماؤں کا ترپنا، گودلوں کے فانی ہو جانے کا خوف، غرض ہاہ حتی کے مسافر کے لئے ہر قدم پر صعوبتیں تھیں اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْہِیْ لِلذِّیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ نوین محرم کو حسینؑ لشکر اعدا میں گھر گئے۔ ایک رات کی ہلکت اور دی۔ شاید کوئی مرد آزاد فکر حتی کی طرف آ کر ثانی نمونہ بن جائے دسویں محرم کی صبح سے لڑائی شروع ہوئی۔ ہزاروں تیر پہلے ہی حملے میں لشکر مخالفت کی سمت سے چلے ۲۲ انفادروہیں تڑپ کر مر گئے پھر بچپن کے ساتھی چلے طفلی کے رفیق چھوٹے۔ عزیز دل کی باری آئی۔ بچپن پاک کے مناندے کر بلا میں موجود تھے حسین ابن علی ختمی مرتبت کی مناندگی کر رہے تھے علی اکبرؑ حسینؑ کے مناندے تھے عباسؑ علیؑ کے ادر قاسمؑ امام حسنؑ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ فاطمہؑ کی کتابت زینبؑ کر رہی تھیں علی اکبرؑ میدان میں گئے حسینؑ نے صبر کی داد دی اور بیٹے کی لاش خود اٹھا لائے۔ قاسمؑ ابن حسنؑ کی لاش پامال ہو چکی تھی حسینؑ نے اس کو رکھ کر حبس میں اٹھایا۔ حبیبائوں کی لاشیں آئیں تو زینبؑ نے شکر کا سجدہ ادا کیا۔ عباسؑ درگاہ پر ظلم کاڑھ کر سو گئے۔ جھجھکے کا بچہ علیؑ منتر تیر کا نشانہ بنا۔ مفتش میں اس کی تبر بندوی عصر کا وقت آتا چلا۔ حسینؑ امین علیؑ ذبیح عظیم کی منزل پر آئے۔ دعائے ابراہیمؑ اور محمدؐ کی تکمیل کا وقت آیا۔ رک کر لاشوں پر نظر کی آواز دی۔

یا ابطال الصفا و یا فخر سان الہیجا باقی

انادیکم فلا تجدیونی۔ انا من مہمونیضونا

میرا نہیں کہتے ہیں۔

ناگاہ سوئے لاش پر سر جا پڑی نظر

فرماتے سر کو پیٹ کے سلطان مجر دہر

سوئے ہو گیا دھڑے سے رخصت خاک پر  
اکبرؑ اٹھو کہ گھوڑے سے گر ثابت اب پدر  
بھولے پدر کو نیند میں قربان آپ کے  
آؤ نماز عصر پڑھو ساتھ باپ کے  
پھر دریا کی طرف دیکھا اور آواز دی۔

عباسؑ نامدار تر انا سے اللہ کے آؤ

پہنکتا ہے تلیٹ مل ہے میں سب کے گھاؤ

چھوڑ کو میری زندہ بہ جو پانی کہیں سے پاؤ

چلتے ہوئے عدم کے مسافر سے مل تو جاؤ

بہم سب کے کام آئے ہیں پیٹے ہیں روئے ہیں

بارہ پہر ہوئے کہ نہ یسے نہ سوئے ہیں

خیمے میں کھرام مچا ہوا تھا۔ سب کو امر بہ صبر فرمایا۔ عابد بیمار کے سر ہانے آئے۔ ان کو خدا حافظ کہا۔ زینبؑ کو دیکھ کر بولے۔ ہم نے قافلہ کو مدینے سے کر بلا تک پہنچایا ہے۔ اب تمہارا کام ہے کہ تم اس قافلے کو شام اور شام سے مدینے جاؤ اور جب مدینہ جانا تو میرے نانا کو میری طرف سے سلام کہنا اور یہ کہنا کہ حسینؑ نے اپنے وعدے کو پورا کیا۔

سب کو خدا حافظ کہا خیمے کے پردے کے قریب آئے۔ آواز دی کوئی ہے ہماری سواری لانے والا؟ کوئی نہ تھا۔ گھوڑا گردن ڈالے قریب آیا۔ آپ سوار ہوئے ناگاہ ایک بچی کی آواز آئی۔ ٹھہر و بلا۔ حسینؑ گھوڑے سے اتر پڑے بچی کو پیار کیا اور کہا سکینہ، عینی لعلی اُیٹک بالما عجبے جھوڑ دو۔ میں شاید پانی لاسکوں۔ بچی نے باپ کو خدا حافظ کہا دم بخود دروازہ خیمہ پر کھپ کھڑی ہو گئیں۔ اس



اس انتظار میں کہ باپ آئیں گے۔ جیسے گئے مگر بلکہ میدان میں شام ہو گئی۔ مبینہ  
نہ آتے نیچے جھے، بچوں نے طلبہ کھائے۔ گھر میں نہیں آئے۔ اندر بیٹا بڑا  
علی کی بڑی بیٹی نے بچوں کو جمع کرنا شروع کیا۔ جب باہر میدان میں سب ایک  
جمع ہوئے تو زینب نے دیکھا کہ سیکڑہ نہیں ہیں۔ ہر طرف آواز دیتی ہوتی چلیں۔  
سیکڑہ، سیکڑہ، دریا پہ جا کر پکارا عباس! کیا وہاں سیکڑہ آتی ہے۔ فضل میں آئیں۔ پچی  
کو پکارا۔ آواز آئی آہستہ بولو بہن۔ سیکڑہ یہاں ہمارے سینے پر سو رہی ہے۔ زینب  
نے سیکڑہ کو چومکا یا شانہ ہلا کر کہا چلو بچے کیلے نہیں سوتے۔ گھر آکر کہا پھو بھی اماں!  
میرے بابا کیلے ہیں۔ دیکھو لڑکے! انا سیکڑہ بٹھاتی ہوں (شوام)



## صبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالْعَصْرِ - إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ خَسِرٌ - إِلَّا الَّذِي تَزَكَّى وَاصْلَحَ  
وَتَوَّابًا فَخَيَّرَ وَلَوْ أَنَّ شِئْبًا فَتَبَيَّرَ (سورہ العصر)

شرافت انسان کا اعلان کرتے ہوئے قرآن نے بعض ایسے فضائل معین  
کر دیئے اور بعض ایسی خصوصیتوں کا انان کے لئے وجوب ثابت کیا کہ جن کے فضائل  
و خصوصیات کی بنا پر انسان کی انسانیت ساری موجودات میں محلِ ذکر و فکر بن گئی، ان  
تمام فضائل نفسی، ان تمام حسنات و کمالات نفسِ انسانی میں ایک اہم منزل ایک  
اہم منزلت ایک اہم مقام شرافت صبر قرار پایا۔ صبر صرف انسان ہی کے لئے ہے۔  
زیوان کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، نہ فرشتوں کے لئے۔ حیوان کے لئے  
یہ استعمال اس لئے نہیں ہو سکتا کہ صبر بدون تعقل نہیں، صبر بغیر علم نہیں جتنا  
علم کمال پر جائے گا اسی قدر صبر منزل تکمیل پر پہنچے گا۔

اور پھر صبر قیام ہے یعنی ایک لشکر کا دوسرے لشکر کے مقابل میں قیام  
کرنا صبر ہے، یعنی باطل کے مقابلے میں حق کا قیام صبر ہے کذب کے مقابل میں  
صدق کا قیام صبر ہے، ظلم کے مقابل عدل کا قیام صبر ہے، ناحق کے مقابل میں حق  
کا قیام صبر ہے، کیونکہ حیوانیت کے لئے بہیمیت کے لئے نہ علم ہے اور نہ قیام تصور  
میں آ سکتا ہے۔ اس لئے حیوانیت کے واسطے یہ صفت کبھی مذکور نہیں ہوتی۔

اور ملائکہ کے لئے لفظ صابر اس لئے نہیں آیا کہ ملائکہ ہر آن مقامِ تقرب میں  
جمالِ حضرت احدیت میں فیضِ باب و فیضِ کام ہیں۔ وہاں نہ شہوات ہیں نہ خواہشات



ہیں کہ ان پر قابو پانے کے لئے صبر کی ضرورت ہے۔ اس لئے ملائکہ سے صفت خواہش کو لے کر اس صبر کو ضروری نہ جانا۔ یہ فقط ایک انسان ہی ہے جس کے لئے صبر لازم قرار پایا۔ اور اس لئے لازم قرار پایا کہ اگر مصیبت پر مردوں کی طرح صبر نہیں کرتا تو احمقوں کی طرح مصیبت کو بھلانا پڑتا ہے۔

ایک عظیم منزل ہے صبر کی یہ غیب صفت ہے۔ قرآن مجید نے ۱۰ سے زیادہ مقامات پر صبر کا ذکر کیا ہے۔ انبیاء کے ساتھ اس صفت کو موصوف کیا اور ہر نبی کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی بزرگی کی صفت صبر کو ظاہر کیا ہے جوئے کہا اِنَّا وَجَدْنَاهُ مُّصِیْرًا وَّسُوْرَةً مِّنْ آیٰتِ ۙہِمۡنَۙ اِس کو صابر پایا ختمی مرتبت کے لئے ارشاد ہوا۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ ۚ اُولَٰئِكَ الْمُقْسِلُ ۙ دُورَةُ الْمُقْسِلِ ۙ آیت ۵۱ اسی طرح صبر کو جس طرح اولی العزم انبیاء نے صبر کیا تو آپ نے دیکھا کہ فقط انسان کی شرافت صبر نہیں ہے بلکہ اولی العزم کمال اور ان کے بچانے جانے کی ایک صفت صبر ہے انبیاء بچانے جانے ہیں صبر۔

باپ نے بیٹے کو خواب سے آگاہ کیا، بیٹا بھی بنی، باپ بھی بنی بیٹا نبوت کی اس منزل پر فائز ہے کہ فرمایا کہ ہم نے بچپن ہی میں اسے قوتِ فیصلہ عطا کر دی تھی، جب باپ نے بیٹے سے کہا یٰ بُنَّیَّ اِنِّیْ اَمْسٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَرٰکَ تَخْرُجُ مَادَّیْنِیْ دُورَہ صافات آیت ۱۰۴ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذریعہ کر رہا ہوں، بتاؤ تم کیا سمجھتے جو تہاری رائے کیا ہے، بتاؤ تہاری مرضی کیا ہے تو بیٹے نے کہا یٰ اَبَتِیْ اَفْعَلْ مَا لَوْ کُنْتُ مُّسْتَخِیْرًا فِیْ اَمْرِیْ مَا وَاٰتٰہُ مِنَ الشَّیْءِ ۙ دُعَاتِیْ ۙ ۱۰۴ بابا جو حکم ملا ہے اس پر عمل کیجئے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے، کوشش نہ میری ہوگی مگر صبر چاہنا اس کا ہے۔ اگر یہ نبی کی زبان ہے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر دل میں سے پائیں گے۔

حضور ختمی مرتبت نے ارشاد فرمایا صبر کی دو قسمیں ہیں، دو صورتیں ہیں، ایک

کہ صبر کرے اس چیز پر جو کچھ پسند نہ ہو، بات تکلیف دہ ہو اور وہ بات سامنے آئے تو صبر کرے، دوسری یہ کہ کوئی چیز ہے تو بہت پسند کرتا ہے نہ ملے تو نہ ملنے پر صبر کرے فرمایا: یاد رکھو صابر کے لئے خطر لازمی ہے۔ صابر کی فتح اور کامیابی لازم ہے اگرچہ زمانہ طول کھینچ جائے۔ زمانہ طولانی ہو جائے مگر جب بھی صابر کا ذکر آئے گا غلغلہ اور فتح کے لئے ہوگا، نصرت و کامیابی کے ساتھ ہوگا۔ اس کی نصرت و کامرانی ہمیشہ خود اس کے صبر میں رہے گی۔ فرمایا: یاد رکھو مردانہ وار صبر کرنا سیکھو ورنہ نڈرتا ہوا زمانہ خود مصیبتوں کو بھلا دیتا ہے۔ جب بھولنا ہی ہے مصیبت کو تو ایک حق کیوں نہیں پیدا کرتے صبر کر کے۔ یہ وہ منزل ہے جہاں معصوم صبر کو سمجھانا چاہتا ہے۔ صبر کی تعریف فرما رہا ہے کہ صبر جو ہر انسان ہے۔ قرآن مجید میں عجیب مقامات پر صبر کا ذکر آیا ہے۔ سورہ بقرہ سے مسلسل صبر کی آیتیں شروع ہوتی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ ۚ اُولَٰئِكَ الْمُقْسِلُ ۙ دُورَةُ الْمُقْسِلِ ۙ آیت ۵۱، مدد طلب کر دوسرے اور صلوة سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ مَعَ الْمُصْلِحِیْنَ نہیں کہا۔ غیب منزل ہے معنی یہ نہیں کہ صلوة کا درجہ کچھ کم ہے۔ نہیں آغاز صلوة صبر ہے۔ قیام صلوة صبر ہے ناز کو قائم نہیں کر سکتا مگر صابر۔

اب جو کوئی کسی کیلئے کہے اَشْهَدُ اَنْتَ قَدْ اَقْبَلْتَ الصَّلٰوۃَ (زیارت ناحیہ) میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے نماز کو قائم کیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تو صابر تھا۔ تجھ سے بڑھ کر صابر نہیں ہو سکتا، اِنَّ اللہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ اللہ صابرین کے ساتھ ہے۔ اس کی معیت قیومیہ یوں تو ساری کائنات کے ساتھ ہے مگر یہ کہنا کہ ہم صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں اس کے معنی ہی یہ تھے کہ اس کی مخالفت میں قیام کرے گا جو صبر کی مخالفت میں اعلانِ جدال کرے گا ہم اسے پسند نہیں کریں گے ہم اسے محبوب نہیں رکھیں گے، ہم کبھی نہیں چاہیں گے کہ ہمارا بندہ تو ہیں اٹھائے ذلت پائے، ہمارا جدہ نگاہِ خلق میں سبک قرار دیا جائے، ہم ساتھ میں صبر



کرنے والوں کے، ہماری قیامت ساتھ ہے۔ ممکن ہے تو شہید ہو جائے مگر جب تک ہم چاہیں گے تیرا نام رہے گا۔ اور فوراً کہا: **وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْواتٌ طَبَعٌ أَحْيَاءٌ** وَلَٰكِنْ تَقُولُونَ أَمْواتٌ (سورہ بقرہ ۱۵۴) اور خبردار یہ نہ کہنا کہ مردگان راہ خدا کشمکش راہ خدا مردہ ہیں، نہیں وہ زندہ ہیں لیکن تم کو شعور نہیں ہے۔ تم نہیں جانتے ہو اور یہ طے ہو چکا ہے کہ ہم امتحان لیں گے، ہم بغیر امتحان کے کس کو نہیں چھوڑیں گے۔ ہم نے کسی کو بھی بغیر امتحان کے نہیں چھوڑا ہے۔ **وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ** ط **وَنَبَشِّرِ الشَّاهِدِينَ** (سورہ بقرہ ۱۵۵) ہم امتحان لیں گے۔ خوف سے بھوک سے، اموال اور جانوں اور ثمرات کے نقصان سے، ہم امتحان کی منزل پر جب پہنچا دیں گے تو غوطہ خیزی سادو صبر کرنے والوں کو کہ **الَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ مِّصْبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ** (سورہ بقرہ ۱۵۶) جو مصیبت پڑنے کے وقت کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ کے لئے ہیں اور ہم اس کے حضور میں پلٹ کر جانے والے ہیں۔ جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو ان کو دباؤں کا احساس ہوگا، ایک یہ امر کہ جس کی ملکیت میں ہوں، مابرایہ احساس ہو تا ہے کہ مجھے یہاں رہنا نہیں ہے پہلے احساس کے لئے کہا **إِنَّا لِلَّهِ**، ملکیت اس کی ہے اور چونکہ رہنا نہیں ہے، اس لئے کہا **وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ** یہ وہ منزل ہے جہاں مابروں کو بشارت ہو **أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَواتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَهُمْ مُسْتَمْسِكُونَ** (سورہ بقرہ ۱۵۷) انہی پر صلوات انہی پر درود ان کے رب کی طرف سے اور رحمتوں کا نزول ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں تو آپ نے دیکھا کہ ان کا مقام صبر یہ ہے کہ معیت خداوندی سے صابر رہیں۔

صبر شان نبوت ہے اولوالعزم انبیاء کی فضیلت صبر ہے۔ اور آگے بڑھیں **وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ إِمَّةً لِّمَنْ هَدَوْا وَآيَةً لِّمَنْ هَدَيْنَاهُ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ** (سورہ

سجدہ ۲۴) ہم نے ان کو امام بنایا ہے تاکہ وہ ہدایت کریں اس لئے کہ وہ صابر تھے۔ تو صبر نبوت کے لئے بھی لازم ہے، صبر امامت کے لئے بھی لازم ہے، صبر نبوت تو نہ نبوت ہے، صبر نہیں تو نہ امامت ثابت ہے، مقام نبوت و امامت کے لئے ضرورت ہے صبر کی۔ اور اس لئے راہ حق میں قیام کرنے والا حق کا اعلان کرے کہ ہر مصیبت کو جھیلوں کا اعلان کو واپس نہیں لوں گا۔ قدم پیچھے نہیں ہٹیں گے جو کہ رہا ہوں یہی کھول گا، مرجاؤں گا، یہی کہوں گا، یہ ہے منزل صبر!

یہی نہیں کہ انسان چپ ہو جائے، یہی نہیں کہ خاموشی اختیار کرے، یہ صبر کی ایک صورت ہوگی مگر نہیں جس راہ کو طے کیا اور سوچ سمجھ کر طے کیا اور کہا نہیں امت کے لئے، ملت کے لئے یہی راہ مناسب ہے تو اس راہ پر رکت جانا، اڑ جانا صبر ہے۔ غور سے سمجھ لیجئے کہ جنگ میں بھی صبر ہے صلح میں بھی صبر ہے، صلح حدیبیہ پر سسل اعتراضات ہو رہے تھے کیا کیا آپ نے؟ آج ہم قوی ہیں مگر صابر تھے۔ حضور وہ نبوت کا صبر تھا۔ صلح حدیبیہ پر ہزاروں اعتراضات ہو رہے تھے۔ مگر حق نے راہ متعین کر دی تھی کہ اس راہ سے جانا ہے کہ بلا کو۔ دنیا جو چاہے کہے مگر اس قافلہ کو اس راہ سے ہی کر بلا جانا ہے۔ یہ امامت کا صبر ہے۔

ظاہر ہے کہ دنیا جانتی ہے صابر حسینؑ محمدؐ کے نواسے کو، وہ جس نے اپنے صبر کی طاقت سے دنیا پر یہ واضح کر دیا کہ ہم نہ اپنے قول کو بدلتے ہیں نہ اپنے کلام میں تغیر پیدا کرتے ہیں۔ نہ اپنے ثبات قدم میں لغزش کو آنے دیتے ہیں، یہ کہہ دیا کہ اطاعت رسولؐ کا قلاوہ گلے میں ہے۔ اب کسی کی بیعت ممکن نہیں۔ رسولؐ زندہ ہے اس کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ اب کسی اور کا کلمہ کیا پڑھا جائے گا، انکار کر دیا انکار پر اڑے رہے اور اس قیام کا نتیجہ کر بلا ہے اور اس قیام کا نتیجہ شہادت حسینؑ ہے۔







جلی گئی کائنات میں تہلکا پڑا۔ ایسا معلوم ہوا کہ ہوائیں تند ہو گئیں۔ ایسا معلوم ہوا کہ آفتاب کو کہیں لگ گیا۔ ایسا معلوم ہوا کہ اندھیرا چھا گیا۔

گھبرا کر علی کی بیٹی نے عابد بیمار سے کہا کہ بیٹا! یہ کیسا ہو رہا ہے۔ جواب دیا بھو بھو امی! ذرا میرا ہاتھ تھام کر مجھے نیچے کے در تک لے جائیے۔ پہنچایا، پردہ اٹھایا۔ عابد بیمار نے سر بلند کر کے کہا بابا عابد بیمار کا سلام ہو۔ مظلوم نے بیمار نے صابر نے صابر کو سلام کیا۔ قیامت کی شام ہے، شام غریباں اردو ادب میں لفظ عام ہے۔ مگر جہاں جا کر اطلاق انطباق پایا گیا وہ مینو کی زمین تھی۔ کر بلا کی سر زمین پر دینا نے دیکھ لیا کہ حقیقت میں صبر کرنے والے ایسے ہوتے ہیں۔

اور اب یہ آخری منزل ہے۔ صبر اور اس گھرانے کا بہتر باں وارث۔ قتل ہو گئے، ہاں نیچے جلی چکے، بچوں نے طہانچے کھائے، سیدانیاں لٹ چکیں، مگر اب صبر کا کمال دیکھو کہ کسی نے آکر شہزادی زینب سے کہا بی بی یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ سردار ان لشکر و قبائل اپنے اپنے لشکر و قبائل کے سرداروں کی لاشوں کو ہٹالیں اس لئے کہ ایک غریب کی لاش گھوڑوں سے پامال ہونے والی ہے۔

ایک ایک کا لاشہ اٹھایا گیا، مڑکے قبیلے کے لوگ بھی تلواریں بھراتے ہوئے اور یہ بکتے چلے کہ جس کے وارث زندہ ہوتے ہیں وہ یوں لاشے اٹھاتے ہیں۔ اب ایسے میں زینب کے صبر کا اندازہ کرو عابد بیمار کے صبر کا اندازہ کرو کہ بچوں سے کہتے جاتے تھے کہ گھبراننا نہیں۔

## ہدایت الہی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَشَاءْتَ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَلِیْمُ  
بِالْمُتَّقِیْنَ (سورہ قصص آیت ۵۶)

یہ آیت علمائے اسلام میں ایک اختلافی مسئلہ بن کر رہ گئی۔ اور اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ اس کی ہدایت نہیں کر سکتے جس کو آپ دوست رکھتے ہوں جس سے آپ محبت کرتے ہوں، لیکن خدا اس کے لئے چاہتا ہے ہدایت کے دروازے کو کھول دیتا ہے وہ بہتر جانتا ہے کہ ہدایت یافتہ کون ہے۔

صاحب کشف زحمتی نے بڑا دراز قلم صرف کیا کہ اجماع مسلمان ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالب کے لئے ہے، جن کے لئے سینہ بیک بڑی خواہش تھی کہ وہ ہدایت پا جاتے مگر یہ کہ وہ ہدایت نہ پاسکے اور ان کے لئے یہ آیت آئی ہے۔ ہم اس سے پہلے بھی اس موضوع پر روشنی ڈال چکے ہیں اور بشرط توفیق الہی اس سلسلے میں تفصیلی بحث کی ضرورت ہے اس لئے میں آپ کو معلوم ہے قرآن مجید کی کوئی آیت جو اس کی تفسیر کا طریقہ یہ ہے کہ اجتہاد صحابہ یہ فیصلہ کریں کہ یہ آیت کہاں اور کب، کیسے کس طرح اور کس کے لئے نازل ہوئی اس سورہ قصص کی آیت کے سلسلے میں سلسلہ روایات یہ ہے۔ ابوہل سہری روایت



کرتے ہیں عبدالقدوس دمشقی سے اور عبدالقدوس دمشقی روایت کرتے ہیں  
ابوصالح سے اور ابوصالح روایت کرتے ہیں عبداللہ ابن عباس سے کہ وہ  
کہتے تھے کہ یہ آیت حضرت ابوطالب کے لئے نازل ہوتی ہے۔ یعنی خنی مرتبت  
نے بے صدا امر کیا کہ وہ سمان ہو جائیں لیکن نہ برتے۔ آیت نے صاف کہا  
دیا کہ اسے رسولؐ یہ تمہارے پس کی بات نہیں ہے۔

اب اس سلسلے میں ذہبی جو رجال کا سب سے بڑا ماہر ہے سارے عالم  
اسلام کا میزان الافعال اس کی کتاب کا نام ہے۔ اس کتاب میں اس نے  
نقد و نظر سے کام لیا ہے کہ کون راوی کتنا اب ہے۔ کون راوی کمزور ہے  
کون راوی ضعیف ہے، کون راوی ثقہ ہے، کون راوی وفادار ہے۔ ساری  
چیزیں ہیں۔ ذہبی نے بحث کرتے ہوئے لکھا کہ ابوسہیل سہیل کا یہ مشہور تھا کہ  
وہ جس محفل میں بیٹھے حدیث کو سنتی طریقے سے بیان کرتے۔ یعنی ایک ہی حدیث  
کو الفاظ بدل بدل کر بیان کرتے، مختلف طریقوں سے حدیث بیان کرتے۔ یعنی  
ایک طریقہ دوسرے طریقے کی مدد ہوتا تھا۔ ذہبی نے کہا کہ ابوسہیل سہیل وفادار  
ہے، یعنی حدیث وضع کرنے والا۔ ذہبی نے صاف صاف لکھا کہ یہ کذاب ہے،  
اب دوسرے راوی ہیں عبدالقدوس دمشقی، ذہبی نے ان کے متعلق کہا کہ کسی  
معتبر محدث نے ان سے روایت نہیں کی، علم رجال کے کسی ماہر نے ان کو ثقہ نہیں  
مانا۔ یہ اپنی مرضی سے احادیث کو ڈھالنے کسا ہر تھے۔ ان کا شمار بھی کا ذہبی  
میں ہے۔ اور اب تیسرے راوی ابوصالح ہیں، ذہبی نے کہا سرباز اور کھڑے  
ہو کر ڈاکہ ڈال بہتر ہے بجائے اس کے کہ ان سے روایت کی جائے۔ ان کے  
متعلق یہ ہے کہ یہ روایتوں میں چوری کرنے کے عادی ہیں، کچھ ادھر سے  
لے لیا اور کچھ ادھر سے لیا۔ اور پانچویں راوی عبداللہ ابن عباس ہیں، ان کا حال

یہ ہے کہ یہ اسی سال پیدا ہوئے جس سال ابوطالب کا انتقال ہوا، ہجرت  
سے تین برس پہلے یہ پیدا ہوئے، جو بچہ ابھی پیدا ہوا ہے اس کو کیسے خبر ہے کہ  
یہ آیت کس کے لئے نازل ہوئی ہے۔

اب یہ ہم نے رجال کے اعتبار سے پوری روایت کی شخصیں کی اور نقد و نظر و  
تصریح کیا۔ اگر آپ یاد رکھ سکیں اور آپ کا حافظہ ساتھ دے تو یاد رکھئے کہ پہلا  
راوی ابوسہیل سہیل، دوسرا راوی عبدالقدوس دمشقی، تیسرا راوی ابوصالح،  
چوتھا راوی عبداللہ ابن عباس، کس اعتبار سے اس حدیث کو معتبر سمجھا جائے  
تین راویوں کا تذکرہ تو ہو چکا۔ اب دوسرے اس سلسلے میں روایت ہے عبداللہ  
ابن عمر سے یہ ابوطالب کے انتقال کے وقت پانچ برس کے ہیں، یہ بھی کیسے  
جنا سکتے ہیں کہ یہ آیت کس کے لئے ہے۔ اب اس روایت کا سلسلہ ابوسہیل سے  
بھی بیان کیا جاتا ہے، ہجرت سے تین برس پہلے ابوطالب کا انتقال ہوا، اس  
کے بعد ہجرت ہے، ہجرت کے بعد بدریہ، بدریہ کے بعد احد ہے، احد کے بعد  
خیبر ہے۔ ابوسہیل نے خیبر میں مسلمان ہوئے ہیں۔ جو خیبر میں مسلمان ہوا وہ ابوطالب  
سے لے لیا جاتا ہے۔ ان کا ابوطالب کے لئے کوئی حکم لگانا ہمارے لئے ممکن  
نہیں ہے۔

جو تھی چیز حیب بہ لئے پاپکا کہ بھلا کہ کیا کہ اگر اب ان میں سے ہے کہ یہ  
آیت ابوطالب کے لئے آتی ہے تو اس اجماع میں ابیہ کی احادیث بھی شامل ہیں یا  
نہیں؟ اگر ابیہ میں داخل نہیں تو اجماع ثابت نہیں ہے۔ اور اگر ابیہ میں داخل  
ہیں تو انہوں نے اول سے آخر تک یہ کہنے کی کوشش کی ہے، ابتداء سے انتہا  
تک یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ نہ صرف ایمان مقابلہ ابوطالب ایمان میں کامل و  
اکمل تھے، اور جو چیز یاد رکھنے کے قابل ہے انہیں علیہم السلام نے کہا کہ مسلمان اک



دھوکے میں نہ رہیں کہ ان کی شفاعت کوئی کرے گا۔ اللہ کے لئے طلبِ مغفرت کو نہ کرے گا۔ وہ تو اس بلند منزل پر فائز ہیں کہ قیامت کے میدان میں جس کی جس طرح چاہیں شفاعت کریں۔

تو ہمارے پاس یہ بحث کہ ابوطالب کا انجام کیا ہے، کوئی زیادہ مہم نہیں ہے۔ آپ جس پریشانی میں پڑے ہیں، اس پریشانی کو جان کر ہم اس بحث کو بھیڑنا نہیں چاہتے۔ اس لئے کہ ان کا انجام مختلف فیہ ہے۔ لیکن ان کے آثار پر ہم اور آپ دونوں متفق ہیں۔ ہم دونوں متحد ہیں کہ انھوں نے ہر موقع پر رسول کی حمایت کی، رسول کی مدد کی، بچیں سے پالا، اور پھر اس شان سے پالا کہ جہاں خداوند علی الاطلاق سورۃ النجم میں ختمی مرتبت کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہہ اُلُفَّ بِحَدِّكَ يَتِيمًا فَادَّيٰی کیا ہم نے تجھ کو یتیم نہیں پایا۔ اور کیا ہم نے تیری پرورش نہیں کی؟ تو اب آپ کی نظر میں ابوطالب کا جو بھی انجام ہو، اللہ نے اپنی طرف ان کے عمل کو نسبت دے دی ہے، تو یتیم تھا، ہم نے تیری پرورش کی، تو اب آپ کے پاس جو بھی انجام ابوطالب ہو، جہاں فعل ابوطالب فعلی الہی بن جائے۔ اپنی طرف عمل کو منسوب کر لیا کہ تو یتیم تھا، ہم نے تیری پرورش کی۔

دنیا جان رہی ہے کہ اس دن سے پرورش کی ہے جب عبدالمطلب نے بیٹوں کو بلایا اور بلا کر ابوطالب سے یہ کہا کہ عبد اللہ کا نور نظر اب تمہارے حوالے، ابوطالب کے حوالے کر دیا تو اسی دن سے بچے کی خدمت شروع کی تو ایک دو دن کا ساتھ نہیں ہے بلکہ پچاس برس کی حمایت ہے، یہ ساتھ ایک دو دن کا نہیں ہے بلکہ پچاس برس کا ساتھ ہے، پچاس برس تک حمایت کی ہے، اس طویل مدت کے ساتھی کو اگر انجام کے اعتبار سے قابلِ غور نہ سمجھتے تو چھوڑ دیے، یہ تو کچھ کہہ کر خود علی نے اسلام کی کہنے میں ابوطالب کے متعلق۔ فقار ابن معد موسوی

جتنے بھی عالم گزرے ہیں یہ بھی ایک کڑی ہیں اس سلسلے کی یہ بھی ہمارے مشہور عالم ہیں۔ علامہ مہدی بن علی اور آگے اور شیخ الطائفہ محمد ابن حسن طوسی کے پہلے فقار ابن موسیٰ نے ایک کتاب لکھی "ایمان ابوطالب" کتاب لکھ کر ابن ابی الحدید معتزلی کے پاس تحفہ بھیج دی۔ اگلے زمانے میں پرہیز تو نہیں تھا، کتابیں ہاتھ سے ہی لکھی جاتی تھیں، شاگرد لکھتے اور علماء ایک دوسرے کو تحفہ بھیج دیتے تھے، تاکہ ان کی رائے معلوم ہو، جب کتاب ان کے پاس پہنچی تو ابن ابی الحدید معتزلی نے کتاب دیکھ کر کہا کہ ان مباحث کے بعد میں مفید نہیں کر سکا کہ ابوطالب کے لئے کیا رائے قائم کی جائے۔ انھوں نے وہی فیصلہ کیا جس کی طرف میں دعوے دے رہا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ انجام کی بات تو چھوڑو، سیدھی بات یہ ہے کہ ان کے آثار کو تو دیکھو۔

وَلَوْلَا اَبُو طَالِبٍ وَاَنْبَا

لَامُضِلِّ الدِّينِ مَشْخَصًا فَقَامَا

اگر ابوطالب اور ان کا بیٹا نہ ہوتا تو دین کی آج یہ صورت نہ ہوتی جو آج ہم دیکھ رہے ہیں۔

فَذَاكَ بِهَيْكَلَةِ آوَى وَحَاوَى

وَهَذَا بِهَيْثَرِ جَسَّ الْحَبَا مَا

اگر ابوطالب نے محمد کو مکہ میں پناہ دی اور حمایت کی تو بیٹے نے مدینے میں آپ کی مدد کی نصرت کی حمایت کی۔

اس منزل پر گنگو کو پہنچا کر ہم پھر اس آیت کی طرف واپس آجائیں اِنَّكَ لَتَجِدَنَّ مَنْ اَخْبِتَ وَهَكَذَا يَعْدِي مَنْ يَّثَارُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُحْتَدِيْنَ آپ اس کی ہدایت نہیں کر سکتے جس کو آپ دوست رکھتے ہوں، جس سے آپ محبت کرتے ہوں لیکن



خدا جس کے لئے چاہتا ہے ہدایت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ وہ بہتر عبادت ہے کہ ہدایت یافتہ کون ہے۔ اس آیت میں دو لفظوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ مَنَ احَبَّتْ جس سے تجھ کو محبت ہو اس کی ہدایت تو کیا کرے، کیوں کرے جس سے محبت کرے اس کی ہدایت کی ضرورت کیا ہے، تو ہدایت کیا کرے گا، ہدایت تو اللہ کرے گا۔ علت ہدایت تیری محبت نہیں ہے۔ ہدایت کے لئے کوئی رسول کی محبت کو بہاد نہ بناتے۔

وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ فَخُذْ حُكْمًا مِّنْ يَّسَّارٍ ۚ هُدًى مِّنْ رَّبِّكَ ۚ فَتُؤْتِيَكَ مِنْهُ خَيْرٌ مِّمَّا تُخْشَى ۚ ۱۲۰  
 ڈال دیتا ہے، اب لے کر رکھنا بدلا، اب مَنَ يَّسَّارٍ پر گفتگو کریں۔ شاید اس سے پہلے بھی ہم گفتگو کر چکے ہیں کلام مجید میں یہ مَنَ يَّسَّارٍ اور يَسَّارٌ مِّنْ يَّسَّارٍ (آیت ۱۲۰) کئی مقامات پر آیا ہے۔ جس کو چاہتا ہے ہدایت کی راہ پر ڈالتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہی میں جمود ڈیتا ہے۔ اب ایک فیصلہ آپ کریں۔ یہ مَنَ يَّسَّارٍ کو آپ کس طرف موڑنا چاہتے ہیں۔ کس طرف پھیرنا چاہتے ہیں۔ ناظر کون ہے، یعنی کوئی باہر سے کوئی مستعد ہے کوئی خود پسند ہے، کوئی من مانی کرنے والا ہے۔ جب مَنَ يَّسَّارٍ کہا تو غم کو پوچھنے کی ضرورت کیا ہے، ہم جو چاہیں گے کریں گے۔ جب یہ مَنَ يَّسَّارٍ سمجھ میں نہ آیا تو گھبرا کر لکھنے والوں نے لکھ دیا کہ اللہ انبیاء کو چاہے گا تو جہنم میں ڈال دے گا۔ اور یہ لکھ دیا کہ کفار کو چاہے گا تو جنت دے گا۔

آپ نے دیکھا تو یہ مَنَ يَّسَّارٍ کے معنی نہیں ہیں۔ یہ تو دیکھو مَنَ يَّسَّارٍ کون کہہ رہا ہے۔ عادل کہہ رہا ہے مَنَ يَّسَّارٍ حکیم کہہ رہا ہے مَنَ يَّسَّارٍ عظیم کہہ رہا ہے مَنَ يَّسَّارٍ وہ جس کی مصلحتیں بہتر ہیں وہ کہہ رہا ہے مَنَ يَّسَّارٍ یعنی وہی چاہے گا جو اس کا عدل چاہے گا وہی چاہے گا جو اس کی حکمت چاہے گی وَمَا أَمَّا بِلِلَّامِ تَلْعِينِیْدٍ بہتر فرق آیت میں بندوں پر ظالم نہیں ہوں، کہ جس کو آزمائے آزمائے اتنی

مہلت دے کر پچاس برس آزمائے اور پھر تیری ہدایت نہ دے آپ ملاحظہ فرمائیے ہیں یہ مَنَ يَّسَّارٍ پر دھوکا ہوا ہے۔

اور خصوصاً پھر تعویذ کی کچھ راہیں ایسی آگئی ہیں جس اس کی مشیت عیس اس کی مشیت جو چاہے کرے، عادل بھی تو سمجھو، قادر بھی تو سمجھو، عزت واجب کو حکم بھی تو سمجھو، وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ وہ غلط مقام پر کسی غلط شے کو نہیں رکھتا۔ جب یہ طے ہو گیا تو پھر من یشاء کے معنی یہ ہیں جس میں صلاحیت ہوگی۔ اسی کو دوں گا جس میں صلاحیت نہیں ہوگی اس کو نہیں دوں گا۔ جس کی زبان استعداد پیشہ بھی کہتی رہے۔ اب مطالبہ تفسیر کے لئے کہہ رہے ہیں۔

فَإِذَا كَانُوا لَكَ عِبَادٌ فَتُؤْتِيهِمْ مِّنْ يَّسَّارٍ  
 وَأَظْهَرُ دُنْيَا حَقًّا عَمِيرًا بَاطِلًا

اللہ نے اس کی نصرت کی اپنی مدد سے اور اپنے سچے دین کو جو جھوٹا نہیں ہے ظاہر کیا۔  
 لَقَدْ عَلِمُوا أَنَّا آتَيْنَاكَ كَذِبًا  
 لَدُنَّا وَكَأَيِّنْ يَّقُولُ ۚ أَلَا بَاطِلٌ

اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ ہمارا بیٹا محمد ہمارے نزدیک جھٹلایا ہوا نہیں ہے۔ یعنی ہم نے ان کے دعوے نبوت کی تکذیب نہیں بلکہ تسلیم کی ہے، اور وہ تو باطل بات کبھی کہتے ہی نہیں، اور دوسروں کے اقوال باطل کی پر وانی نہیں کی جاسکتی۔

وَأَيُّكُمْ يَتَّقِي الْعَذَابَ ۚ لِيُحْيِيَهُمْ  
 بِرَمَالُ الْيَتَامَىٰ عَصَمَتَا يَلَا رَأْيًا

وہ سردار ایسے روشن چہرے والے ہیں کہ ان کے رونے مبارک کا واسطہ بن کر بارش کے لئے دعا کی جاتی ہے، وہ یتیموں و یتیموں کا والی و وارث ہے



أَلَمْ تَقْلَعُوا أَعْنَاقَكُمْ لِمُحَمَّدٍ  
نَبِيِّكُمْ مَوْسَىٰ خَطَرِي أَوَّلَ الْكَلْبِ

کیا تمہیں اب بھی یقین نہیں آیا کہ ہم نے محمد کو دیباہی بنی پایا ہے جیسے موسیٰ تھے اور یہ کہ انہی کا ذکر قدیم کتبوں میں کیا گیا تھا۔ ابو طالب کا یہ کہنا کہ ہم نے محمد کو موسیٰ طرح بنی برحق پایا جس طرح حضرت موسیٰ تھے۔ ابو طالب کے اس قول کی تائید قرآن نے بھی کر دی یا ابو طالب کے قول کو قرآن کی آیت بنادی، اِنَّا اَنۡهَیۡنَا رَاسُوۡلًاۤ اٰتٰیۡنَاکُمۡ هٰذَا عَلَیۡکُمۡ کَمَا اَرۡسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَاسُوۡلًاۤ (سورہ مزمل آیت ۱۵) یعنی ہم نے تمہاری طرف ایسے رسول کو بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہیں، اس طرح جیسے ہم نے فرعون کی طرف موسیٰ کو بھیجا تھا۔ اور دوسرے مسرعات میں ابو طالب فرماتے ہیں کہ یہ وہ نبی ہیں جس کا ذکر قدیم کتبوں میں کیا گیا ہے۔ قرآن نے ابو طالب کے اس قول کی بھی تصدیق اس طرح کر دی کہ ارشاد ہوا اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّۤیۡنَ اُولَٰئِۡکَ یُجۡزِیۡهِمۡ مَّا کَسَبُوۡۤا مِنْۢ بَیۡعٍ مَّاۤیۡمُوۡۤنَۃً فِیۡ السَّوۡۤءِ ذَاۤیۡۤکَ وَ اُولَٰئِۡکَ یُجۡزِیۡلُ (سورہ احزاب ۱۵) وہ لوگ جو اس رسول و نبی احمی کا اتباع کرتے ہیں وہ ان کے ذکر کو ثوابت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

اب کیا خیال ہے ابو طالب کے متعلق، جو اللہ کا قاتل ہو، قیامت کا قاتل ہو کتب کا قاتل ہو، آیت کا قاتل ہو، مجموعی کے سورہ آئیں وہ لے جا کر کفار و شرش کو پڑھ کر ستاتے، وہ نبی کے سچاوت کا قاتل ہو، نبی کا مایہ ہو، نبی کا بھائی ہو، اگر نبی کے ساتھ کوئی سخت کلامی کرسے تو کمان سے ابولہب کی پیشانی پر ایسے ضرب لگاتے کہ ابولہب کی پیشانی بھٹ جاتے۔ اور اس کے بارہو بھی اگر دنیا پر سمجھے کہ یہ انجیل سے دانستہ نہیں تو یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ کسی کا انجام پڑ گیا کہ یہ انجیل سے واقف نہیں تو آغاز کو لودیکھو، یہاں ابن ابی الحدید نے کہا

اس نے مکر میں، مخالفت کی بیٹھنے میں مخالفت کی، ابھی شعرہ پر مچکا۔ میں نے نہ محنت دی آپ کو، ایک بات اور یاد رکھنے کے قابل سے وہ یہ ہے کہ غنمی مرتب کے لئے بنی آئیں آئیں ہیں ان میں ایک آیت بہت اہم ہے جو سورہ صافات کی آیت ہے۔ ارشاد ہوا اَلَّذِیۡ اَرۡسَلۡ رَاسُوۡلًاۤ بِاَلۡحَدِیۡ (سورہ صافات ۱۶) اس نے اپنے رسول کو بھیجا ہا یہاں تو ان کے ساتھ، نبی کی تعریف اور اسے مقام پر کہا اِنَّکَ لَتَعۡدِیۡ اِلَیۡ سَوَاطِیۡ مُسۡتَقِیۡمٍ (سورہ شوریٰ آیت ۵۲) تو یہ آیت کرتا ہے سراط مستقیم کی طرف اور اس کے بعد ایک مرتبہ سورہ یونس میں واضح کیا جہاں ارشاد ہوا اَمۡلَ کُلِّ مَنۡ شَکَّ کَیۡفَ مَنۡ یَّعۡدِیۡ اِلَیۡ الْحَقِّۚ یُجۡوۡۤاۡنُ اَسَے کہ کوئی نہ تمہارا شریک کار، رفیق کار جو حق کی طرف ہدایت کرے۔ قُلِ اللّٰہُ یَعۡدِیۡ لِلْحَقِّ کہہ دو اللہ ہی حق کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ یہ آیت سورہ سے سنئے۔ اَلَّذِیۡ یَّعۡدِیۡ اِلَیۡ الْحَقِّۚ اَحَقُّۤ اَنۡ یَّتَّبَعَ اَمۡنَ لَا یَّعۡدِیۡ اِلَّا اَنۡ یَّعۡدِیۡ فَمَا اَلۡکَلِمَۃُ کَیۡفَ یُحۡکَمُوۡنَ (سورہ یونس ۵۳) پس جس کی ہدایت جو حق ہوگی اسوں کو اس کا زیادہ حق نہیں کہ وہ ہدایت کرے کیا وہ ہدایت کر سکتا ہے جو ہدایت میں ایک دوسرے کا محتاج ہو، آیت کو دیکھتے یا وہ ہدایت کرے گا جو ہدایت یافتہ ہو، مجتہد، محتاج کو کہا ہے گا، وہ خود ہدایت کا طالب ہے۔

گزشتہ ماہ رمضان المبارک میں سورہ توبہ کی تفسیر کرتے ہوئے میں نے ابو طالب کے لئے ایک دلیل پیش کی تھی۔ آپ کو یاد رکھنا چاہیے۔ ایک تارک ترین وقت ہے اسلام پر ایک ایسا سخت وقت ہے اسلام پر کہ اب غائب ہے میں مشرک نہیں آئے گا۔ کچھ یاد آیا آپ کو کہ یہ کون سا وقت ہے۔ بدر کے بعد، احد کے بعد، خیبر کے بعد، فندق کے بعد، فتح مکہ کے بعد، ہجرت مکی کے بعد، منین کے بعد اب یہ آخری سال ہے۔ شاہجہری کو سورہ برات آیا۔ سورہ توبہ آیا اباد اب جلے



کہہ دے شرک خانہ کعبہ میں نہ آئے، رسول کو عجم و سی بہ اعتقاد کرنی پڑی کہ آئیں اس کے حوالے کی جائیں کہ پلٹ کر کوئی مشرک یہ نہ کہے کہ تمہارا باب بھی تو مشرکوں کا کسی سے لیا اور کسی کو دیا۔ اسی میں یہ راہ نہ ہٹاں ہے کہ سیاست وقت و جگہ گئی اور آہستہ پر کہ جب تک ان کے انجام کو متنبہ نہ کر دیں گے، دل کو سکون نہیں ملے گا۔ اس لئے جب تاریخ لکھی گئی، تو ہر آن یہ کوشش رہی کہ ہاں بڑی مدد کی، بڑی حمایت کی، کس کا یہ کارنامہ ہے تو ہم کو تو اسی دنیا سے کام ہے، بدر کی لڑائی کیسے ہوئی، حق میں کی گزری، خبر کیسے منتقل ہوا، حنین کو کیسے سرانجام کیا، بدر کی لڑائی کیسے ہوئی، فتح مکہ کا انجام کیا ہے۔ یہ بت لکھی کیسے ہوئی ہم تو اسی دنیا کو دیکھ رہے ہیں، آخرت کی خبر، یہاں بتلاؤ، یہاں ایک ہی منزل پر بتلاؤ کہ جیتنے نے کہا ہو یا یہ چاہیے اور چچانے انکار کر دیا ہو، کہیں تو دکھاؤ کہ کسی خواہش کی تکمیل نہ کی ہو، نیچے کے حکم کو نہ مانا ہو، جیتنے کے کسی معجزے سے انکار کیا ہو، قرآن مجید کی آیات کو نہ مانا ہو، اسے قرآن کی آیتیں آئیں تو وہ کفار کو یا کر پڑھ کر سناتے اور قرآن پڑھ کر بتا جاتے۔ فراد اٰمّا اٰمُرُکَ سُوْرَۃٌ فِیْہِمْ مِّنْ یَّقُوْلُ اَیْکُمْ رَاوَدُہُمْ ہٰذِہٖ اِنَّا فَاٰلَہُ الذِّیْنَ اٰمَنُوْا اَنْزَلُوْا ہُمْ فِیْہِمْ یٰۤاٰمَنُوْنَ دُورَۃٌ اٰیۃٌ ۱۲۲



گرامی کے ساتھ آں آرام کہ رہے ہیں آپ کو بھی زیارت مقدسہ دینے چھوڑیں  
کی قریب۔ حسین سے دور نہیں ہیں حسین نے اب تک علی اکبر کو اپنے سے  
لگا کر رکھا ہے۔ اور جب ذکرِ عباس پر پڑتا ہے تو کہیں کہیں اشارہ بھی ہو جاتا ہے  
کہ میرے علی اکبر کا ترغاں بیان کر۔

ابھی فشر پارک میں گفتگو تھی کہ ہنزدی زینب نے علی اکبر کو رخصت  
دی، بھائی کی سفارش پر مگر یہ کہہ کر کہ علی اکبر میرے لال کیا میں نے اسی دن  
کے لئے پالا تھا، میں نے تمہارے لئے عوں دیکھ کر فرما کر دیا تھا۔ اچھا  
جواز میرے لال، خدا حافظ۔

حسین بیٹے کو ساتھ لئے، ہاتھ کو تھامے ہوئے خیمے سے باہر آئے، بیٹے  
نے اجازت چاہی، باپ نے کہا ٹھہر دو علی اکبر اچھی کچھ اور میرا زینب باقی ہے۔  
یہ کہہ کر اپنے خیمے میں علی اکبر کو لائے، اپنے ہاتھ سے تبرکات کے صندوق کھولے  
نانا کا نام لے کر بیٹے کے سر پر رکھا، نانا کی عبادت پر ڈال، نانا کے اسلحہ و جنگ  
جسم پر بجائے۔ سر سے کرپاؤں تک سرت بھری نظر سے دیکھا اور کہا علی  
اکبر جب کبھی نانا یاد آئے تو میں تم کو دیکھتا تھا، ہاتے آج تم جا رہے ہو، آؤ میرے  
لال آج میں تم کو سوار کروں، یہ کہہ کر خیمے سے باہر آئے آواز دی، بے کوئی میرے  
بیٹے کی رار، لالے والا، عقاب حاضر ہوا، علی اکبر چاہتے تھے سوار ہو جائیں  
حسین ابن علی نے علی اکبر کا بازو دھاما، علی اکبر نے ادب سے کہا، بابا آپ زحمت  
نہ فرمائیں۔ حسین نے کہا علی اکبر تم جا رہے ہو، تم جا رہے ہو میرے لال اچھا جانا  
جاء، علی اکبر گھوڑے پر بیٹھے حسین نے ایک مرتبہ آسمان کو دیکھا اور کہا اِنَّ الشَّيْ  
طَافِ اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَ آلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ آلَ عِيسٰى عَلٰى الْاَلْبٰنِ سُوْرَةُ آلِ اِمْرٰن  
آیت ۳۳ اللہ نے مصطفیٰ کی آدم کو نور کو آل ابراہیم کو آل عمران کو عاقلین میں

خداوند گواہ رہا کہ میں اس قوم کی طرف ایسے بران کو بھیج رہا ہوں جو مورت  
میں سیرت میں، رفتار میں، گفتار میں میرے رسول سے مشابہ تھا اور ایک مرتبہ  
عرسہ کی طرف رکھ کر کہا، اے عرسہ خدا تیری اولاد کے سلسلے کو قطع کر دے  
تو نے میرے بچے کی نسل کو قطع کر دیا۔

علی اکبر گھوڑے پر سوار ہوتے گھوڑا چلا، ایک مرتبہ چاہا کہ مر کر بابا کو سلام  
کر بس تو دیکھا بابا پیچھے پیچھے آ رہے ہیں، علی اکبر نے کہا بابا آپ کیوں آ رہے ہیں  
بابا آپ تو رخصت کر چکے، کہا تم نہیں جا رہے ہو علی اکبر میری جان جا رہی ہے  
آہستہ چلونا کہ جب بھر کر دیکھ لوں۔ علی اکبر نے بجا مفرس کو کھینچا، گھوڑے سے کود پڑے  
بابا کے قریب آئے، لب اندس گوش ہا یوں امامت کے پاس لائے۔ آہستہ سے  
کچھ کہا حسین بیٹے کے چپے سے کرچ کر روئے، علی اکبر تو چلے گئے، زینب درخیمہ  
سے سب کچھ دیکھ رہی تھیں، پوچھا بیٹا چلے وقت علی اکبر نے آپ سے کیا کہا تھا  
حسین نے کہا زینب یہ نہ پوچھو، کہا بیٹا آپ کو میرے حق کی قسم بتائیے میرے  
علی اکبر نے چلے وقت کیا کہا۔ حسین نے فرمایا زینب زمانہ کا قاعدہ ہے کہ جب  
بوڑھا بچہ مرنے لگتا ہے تو جوان بیٹے کو وصیت کرتا ہے، آج دیکھو تو میرے لال نے  
مجھے وصیت کی ہے کہتا تھا بابا میری لاش خیمے میں نہ لائیے گا، میری ماں غریبہ  
ہے، میری ماں پر دیسی ہے۔



# تقویٰ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يُكَفِّرُ الدَّارَ الْآخِرَةَ لِمَنْ يُدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَ  
لِلْأَسَادِ وَالْعَاقِبَةِ لِلْمُتَّقِينَ • (سورہ قصص آیت ۸۳)

سورہ قصص کی یہ آیت انجام متقین پر ایک بین ثبوت ہے۔ معنی خیر درس ہے۔ ارشاد ہوا آخرت کا گھر تو ہم ان ہی کے لئے مخصوص کر دیں گے۔ جو روئے زمین پر نہ سرکشی کرنا چاہتے ہیں۔ اور نہ فساد اور بھڑکائی بھی دہی ہے کہ انجام کی بھلائی صاحبان تقویٰ کے ہی لئے ہے۔ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ قرآن مجید میں ۲۵۳ مقامات پر لفظ تقویٰ استعمال کیا گیا ہے اور اکثر مقامات پر تقویٰ کے ساتھ ساتھ صبر کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

ختمی مرتبتؑ نے ارشاد فرمایا "لوگو! خیر دار رہو، تم سب کا خدا ایک ہے کسی عرب کو کسی عجمی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ مگر تقویٰ کے اعتبار سے، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔"

اور اسی منزل پر امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب صلوٰۃ اللہ علیہ نے تقویٰ کی تعریف بتاتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم متقین کو دیکھنا چاہتے ہو تو تم دیکھو گے

کہ اس کے دل میں خوف ہے۔ ایمان میں یقین ہے اگر کسی سے ملتا ہے تو احتیاط سے ملتا ہے۔ اگر فاقہ کے عالم میں ہے تو پھر بھی صبر کے جبار ہے متقی اپنی خواہشات پر قابو پانے والا ہے۔ اگر تم متقی کو دیکھنا چاہتے ہو تو اس وقت دیکھو جب زلزلے آئیں۔ جب اس پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹیں تو اس کا وقار اور شان دیکھو جب اس کو نعمت پر نعمت عطا ہوں تو اس کے شکر کے سجدے دیکھو، امیر المومنین فرماتے ہیں کہ متقی وہ ہے جو حق سے باہر نہیں ہوتا۔ اور باطل میں داخل نہیں ہوتا۔ اب دیکھئے کہ قرآن مجید میں متقی کی کیا تعریف کی گئی ہے۔

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَى (سورہ حجرات آیت ۱۳) اللہ کے نزدیک مکرم وہی ہے جو صاحب تقویٰ ہو ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (سورہ طلاق آیت ۲) اللہ جو کوئی تقویٰ کی منزل پر آتا ہے اسے پھر کسی سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہم اس کو وہاں سے رزق عطا کریں گے جہاں اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ اور آپ یہ نبیؐ آیت جہاں ارشاد ہوا إِنَّهُ يُسْجِى الدِّينَ الْقَوَّاةَ وَنَذَرَ الَّذِينَ اتَّقَوْهُ فِيهَا حَتَّىٰ يَمُوتُوا (سورہ بقرہ آیت ۱۷۷) ہم فقط صاحبان تقویٰ کو نجات دیں گے اور ظالمین کو جہنم کی آگ میں جھونک دیں گے۔

تقویٰ کی ان اعلیٰ مدارج کو بیان کرتے ہوئے اللہ نے بار بار یہ کہا کہ صاحبان تقویٰ اس مالک حقیقی کو محبوب ہیں پسند ہیں، مَنِ امْنًا وَفِي بَيْتِهِ وَآلِهِ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (سورہ آل عمران ۷۶) جو کبھی اپنے عہد کو پورا کرے گا اور برائی سے بچ کر رہے گا وہ اللہ کا محبوب بنے گا، کیونکہ صاحبان تقویٰ اللہ کو پسند ہیں۔ ان اللہ محبوب المتقین (سورہ توبہ آیت ۱۸) اللہ صاحبان تقویٰ ہی کو پسند کرتا ہے۔ اَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (سورہ نور آیت ۲۳) اور جان رکھو کہ بے شک اللہ صاحبان تقویٰ ہی کے



ساتھ ہے۔ خداوند علی الاعلیٰ نے صاحبان تقویٰ کا انجام بھی بتا دیا کہ ہماری طرف سے انھیں کیا ملے گا۔ ارشاد ہوا۔ **إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَنَّاتٍ مِنْ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ (سورۃ القلم آیت ۴۴)** یقیناً صاحبان تقویٰ کے لئے نعمت سے بھری جنتیں ہیں۔

تقویٰ کی ان تمام تعریفوں کے بعد حصول تقویٰ کی بھی فکر لازم ہے کہ اس کو کیسے حاصل کریں سورہ حج میں کہا گیا ہے کہ **وَمَنْ يَعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّ أَفْوَاجًا مِنَ النَّاسِ يَكْفُرُونَ (سورہ حج آیت ۲۴)** جو اللہ کی نشانوں کا احترام کریں تو یہی تقویٰ ہے، جو شعا خدا کا احترام کریں، جو چہار دیواری کا احترام کریں جو ان راستوں کا احترام کریں جہاں سے انسان سنی کتاب ہے وہ اس کو یہی احترام کریں جس کو نبی کریم نے منع کیا ہے۔ خدا کو یہی احترام کریں۔ یہی نہیں بلکہ قربا کے اس جانور کے گلے کی ری کا بھی احترام کریں، اس لئے کہ وہ شعائر الہی میں سے ہے۔ آپ نے دیکھا تقویٰ اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ شعائر الہی کا احترام کرو، اور اس کا احترام ترک نہیں ہے۔ اگر اللہ کی نشانیاں آپ زخم، صلتا اور مردہ اور غلاف کعبہ میں تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا، امام حسن اور امام حسین اور ان کے ساتھ شہید ہونے والے سب شعائر اللہ ہیں۔ ان کا احترام کرو ورنہ دلوں کا تقویٰ ہے جو حیران سے منسوب ہو جائے وہ اللہ کی نشانی ہے۔ اور یہی تقویٰ ہے۔

ارشاد خداوند ہوتا ہے کہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَكُونُوا قَوْمِينَ لِلَّهِ تُهَدِّدُ آبَاءَ الْقَبِيلِ وَلَا يَجِبُ عَلَيْكُمْ مَنَاقِبُ قَوْمٍ عَلَى الْأَعْدَاءِ لَوْ أَعْدَلُوا أَهْلُوا قُرْبٍ لِلتَّقْوَى (سورہ مائدہ ۸)** اے صاحبان ایمان، اللہ کے لئے قیام کرو یا اے بنو عدل پر گواہ بنو خنزرا کسی قوم کی دشمنی تم کو عدل سے نہ ہٹا دے، عدل کرو یہی تقویٰ ہے۔ تقویٰ سے عدل قریب تر ہے۔ اے صاحبان ایمان اللہ کے نام پر اٹھو، عدل پر شہید بنو اور یہ شہادت علمی ہے، شہادت عظمیٰ ہے۔ اور یہ اس وقت تکمیل پاتی ہے جب شہادت ظاہری بھی تکمیل پاجائے۔ وہ متقی ہوتا ہے۔

کر بلا و اے شہید الا قاطع بھی ہیں یعنی علم کے ساتھ شہید ہو رہے ہیں۔ تب تیغ و خنجر گارا رکھ کر بھی شہید ہو رہے ہیں۔ ان کی شہادت اور مراتب کا کیا کھت کر بلا میں ہم تقویٰ کی چند صورتوں کو ایک ساتھ دیکھتے ہیں۔ بہتر صورتیں ہیں جو نظر آتی ہیں۔ ان کا وقار دیکھو۔ ان کا شدتوں میں صبر کرنا دیکھو۔ ان کی احتیاط کو دیکھو جب کہ ان کے مقابل میں لشکر کبیر ہے۔ جو اپنے آپ کو ملک کہتا ہے مگر شہزادی زینب نے شام میں یزید کے بھرے دربار میں اس کا جواب دیا تھا کہ جس کو تو ملک سمجھتا ہے وہ ملک نہیں ہے، حکومت نہیں ہے بلکہ مہلت ہے۔ یزید کو یہ مہلت ملی تو وہ سمجھا کہ اب ہم اس گھرانے کو تہہ کر دیں گے۔ مگر اس کو نہیں معلوم تھا کہ **إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (سورہ بقرہ ۱۵۲)** جو لوگ راہ خدا میں نکل گئے جاتیں انھیں کبھی مڑو نہ سمجھنا۔ یزید کو یہ نہیں معلوم تھا کہ اللہ شہداء کو حیات عطا کرتا ہے اس طرح حیات پانے والے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جاتے ہیں حسین شہید راہ خدا ہیں۔

حسین ایک سلسلہ کا نام ہے، حسین تنہا نہیں ہیں حسین وہ سلسلہ ہیں جو آدم سے خاتم النبیین اور آپ سے قیامت تک سچی زبانوں کا سلسلہ ہے، عزائم کا کام حسین ہے۔ اس لئے حسین مومن کی واحد تہا ہیں، حسین تجدید سچی مومن ہیں حسین مومن کے لئے متقی کے لئے وہ منزل اعلیٰ ہیں جس کو دیکھ کر مومن مسلسل ترقی کی راہیں طے کرتا جاتا ہے۔ حسین ابن علی اللہ کی ایک بڑی نشانی ہیں، صاحبان تقویٰ کے لئے ایک رمز ہے۔

شام ہو چکی ہے کر بلا میں کر بلا کے میدان میں شام ہو چکی ہے۔ دنیا واقف ہو چکی ہے کر بلا میں کیا ہوا۔ محمد کی بیٹی کا بیٹا حسین ۲۸ رجب کو مدینے سے







کردی کہ دیکھو کہیں اس اتباع کے بہانے یا اس اتباع کے پردے میں ایسا نہ ہو کہ ظالم کی پیروی ہو، مفسد کی پیروی ہو، موافق ہو جس کی پیروی ہو، خواہشات نفس کی پیروی ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم صرف ظلم و غنیمت ہی کی پیروی کرتے رہو، انکار پر چلتے رہو، یہ نہیں ہوگا سنو۔!

وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ (سورۃ اعراف آیت ۴۱) دیکھو فنا کرنے والوں کا راستہ اختیار نہ کرو۔ دیکھو یہ جان لو بے اِتَّبَعَ الَّذِينَ كَلَّمُوا اَهْلَهُمْ بَغْيًا وَعِلْمًا (سورۃ روم آیت ۲۹) دیکھو ظالم وہ ہیں کہ جنہوں نے اپنے خواہشات کی پیروی کی ہے جہالت کے عالم میں، وہ مرفوظ اپنے نفس کی پرستش کر رہے ہیں اور واضح کر دیا کہ اِنْ يَتَّبِعُوا اِلَّا الظُّلُمَ (سورۃ النعام آیت ۱۱۸) اگر وہ بیشتر کا یہ عالم ہے کہ فقط پیروی کئے جا رہے ہیں، اندازہ و تخمین و گمان کی کہ جس کو حق سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ اِنْ اَتَّظَلُّوا لَا يُعْنِي عَنْهُمُ اُنْفِقُ شَيْئًا (سورۃ یونس آیت ۱۳) گمان کو، تخمین کو، اندازے کو حق سے دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔

اہم ترین مسئلہ ہے زندگی کا مسئلہ اتباع، کہ پیروی کس کی کی جائے اور کس کی نہ کی جائے۔ یاد رکھئے کہ انسان اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں، بچپن، جوانی، بکورت، ہو کہ ضعیفی، ہر ان ڈھونڈتا ہے ایسے اداروں کو جہاں جا کر وہ پیروی کرے اور اپنی زندگی کے لئے کوئی راہ اختیار کرے، ماں، باپ، خاندان، مدرسہ، دوست، احباب، حکومت، معاش اور زندگی کے مختلف ذرائع کی تلاش یہ سب وہ ادارے ہیں جہاں انسان پیروی کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہے۔ بچہ اپنے ماں باپ کی پیروی کرتا ہے، بچہ اپنے گھر کے رسم و رواج کی پیروی کرتا ہے۔ بچہ جس خاندان میں رہتا ہے اور بڑھتا ہے اس خاندان کے افراد کی پیروی کرتا ہے۔ ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔

”مدرسہ میں آتا ہے تو استاد کی سیرت کی پیروی کرتا ہے۔ استاد اس کی نگاہوں میں ایک جگہ بنالیتا ہے اور پھر احباب اس پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ وہ اپنی تاثیر سے اپنی رائے سے بار بار اس سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ان کی پیروی کرے۔ اور اس طرح سے معاش کے نظام میں بھی تجار تین، ملازمین انسان کو گھسی نہ کسی کی پیروی پر مجبور کر دیتی ہیں اور پھر حکومت کے احکام کو جبری کر دیتے ہیں کہ اگر وہ حکومت راستی پر ہے، حق پر ہے تو ظاہر ہے اس کا اثر مجد اگانہ ہوتا ہے۔ اگر وہ حکومت باطل کے ساتھ ہے اور جبر و استبداد کے ساتھ ہے تو اس کا اثر کچھ اور ہے اسی طرح سے قدم قدم پر تاثیر ہی کا اثر ہے۔“

قدم قدم پر انسان اتباع کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ قرآن مجید یہ چاہتا ہے کہ دیکھو شروع سے لے کر آخر تک اس پیروی کی منزل کی نگرانی کرو، دیکھو تمہارے لئے سب سے اہم مسئلہ بچوں کی تربیت ہے سورۃ البقرہ میں آیت کا نشان ۲۴۴ سے ارشاد ہوا۔

اَلَيْدُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَكُوْنَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ مَّخِيلٍ وَّاَعْنَابٍ يَخْرُجُ مِنْ تَحْتِهَا  
النَّخْلُ لَهَا فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَاَسَابِقُ اَلْكِبَرِ وَلَهُ دُرٌّ نَّارِيَةٌ ضُفْفَاءُ فَاَصَابَهَا اَعْيُنُ  
فِيهَا نَارٌ فَاَحْسَرَتْ فَاَكْذَبَكَ يٰسَيِّدُ اللّٰهِ تَعَالٰى اَلَا يَتْلُوَنَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (سورة بقرہ  
آیت ۶۶) کیا تم یہ دوست رکھتے ہو کہ تمہارے پاس ایک باغ ہو انگوڑ کا، کھجور  
کا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور اس باغ میں ہر قسم کے پھل موجود ہوں۔  
ایسے میں باغ کے مالک پر ضعیفی چھا جائے۔ باغ کا مالک بوڑھا ہو جائے۔ باغ  
مالک پر ضعیفی طاری ہو جائے۔ اور اولاد کمزور ہو جائے ایسے میں ایک تیز گرم جھلسا  
دینے وال ہو اچلی جس نے باغ کو جلا کر خاک کر دیا، اسی طرح سے خدا تمہارے  
لئے نشانوں کو بیان کرتا ہے تاکہ تم فکر سے کام لو۔







تابع وحی ہے اور کہہ رہا ہے اِنْ اتَّبَعَ الْاَعْلٰی فَوَیْ اٰی اور امت کو یہ دعوت دی جاتی ہے کہ میری پیروی کرو۔ اللہ تم کو دوست رکھے گا اور اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے، وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَرَآیَتْ اٰیٰتِیْہِمْ وَہُمْ لَوْکَ جَمِیْعٌ اِیْمَانٌ لَّائے اور جب ان کی ذریت نے ایمان میں ان کی پیروی کی ہم نے ان کی ذریت کو ان سے ملحق کر دیا۔ معنی پھر بیٹے جو ایمان لائے، ان کی ذریت ان کی اولاد نے ان کی پیروی کی تو ہم نے ان کا ذریت کو ان سے ملحق کر دیا۔

ابراہیم کہتے ہیں فَهَیْثُ تَبِعْنِیْ بَآئِنًا مِّنْیَّ (سورہ ابراہیم آیت ۳۵) جو میری متابعت کرے وہ مجھ سے ہے۔ اس نے رسولؐ نے دیکھا جو محمدؐ کے رسولؐ کی یہاں تک پیروی کی کہ ایمان میں آل رسولؐ رسولؐ سے ملحق ہو گئی تو رسولؐ نے کہا حُسَیْنٌ مِّنْیَّ ذٰلِکَ اٰیٰتِیْنَ اَحْسِنُ حُسَیْنٌ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ یہ اس لئے نہیں کہا تھا کہ بیٹی کا بیٹا ہے، فاطمہؑ کا نور نظر ہے، یہ اس لئے نہیں کہا تھا کہ نور ہے بلکہ امام حسینؑ نے اتنی پیروی کی کہ رسولؐ کے نقش قدم پر ایسے چلے کہ ہم نے ان کو ذریت کو ان سے ملحق کر دیا۔

اور اس طرح قول ابراہیمؑ کی تکمیل ہوئی جو میری پیروی کرے گا وہ مجھ سے ہوگا۔ یہ ہے مقام منیت حسینؑ، وہ جہنم جس کی یاد کو منانے کے لئے اور جس کے غم کو باقی رکھنے کے لئے اور ماتم کرنے کے لئے ہم اتنے یہاں پر جمع ہوئے ہیں، یہ اعتبار منیت و متابعت یہ ذکر ذکر حسینؑ نہیں، ذکر محمدؐ عربیؐ ہے۔ یہ ذکر ذکر خاتم النبیینؐ ہے۔ اب آپؐ سمجھ گئے اس ذکر کی اہمیت کیا ہے۔ اگر تابع ہیں حسینؑ رسولؐ کے اور اگر رسولؐ تابع ہیں وحی کے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ حسینؑ مرتبیؑ مولا کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ اگر مدینے سے نکلے تو مرضی مولا تھی، اور اگر مکہ کو چھوڑا تو مرضی مولا ہی تھی، اور اگر کربلا میں آنا تھا تو مرضی مولا ہی تھی، اور اگر یہ طے کر لیا تھا کہ ہمارے خیمے فرات سے

بٹ جائیں گے تو مرضی مولا ہی تھی اور یہ طے کر لیا تھا کہ ۲۰ کا لشکر ہزاروں سے ٹکرا جائے گا تو مرضی مولا ہی تھی۔

کوئی یہ نہ کہے کہ حسینؑ نے ایسا کیوں کیا؟ اس واسطے کہ حسینؑ تابع وحی الہی ہے۔ تابع ہوا وہ جس شیطانی نہیں ہے۔ اسی لئے حسینؑ نے بیعت سے انکار کیا تھا کہ دنیا جان لے کہ بیعت تابع ہوس ہونا ہے۔ جو ایک مرتبہ اپنے آپ کو ذات واجب کے باقیوں سے جدا کر دیتا ہے۔ وہ پھر کسی اور کے باقیوں نہیں بکتا۔ ظلم کرنے والے ہوا وہ ہوس کی متابعت کرتے ہیں ظلم کرنے والے یا مَوْبِیْہِ الْفَحْشٰہِ وَالْمُنْکَرِ (سورہ نور آیت ۲۱) تم کو برائی کا حکم دیتے ہیں وہ تم کو بری باتوں پر آمادہ کرتے ہیں۔ فرزند رسولؐ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور آواز آئی فَاسْتَبَشَّرُوْا بِمِیْثَقِہِمْ الَّذِیْ یَاۡیَعُظُہُمْ بِہٖ وَذٰلِکَ ہُوَ الْقَوْتُ الْعَظِیْمُ (سورہ توبہ آیت ۱۱۱) پس خوش ہو جاؤ۔ پس بشارت پا جاؤ کہ تم نے بڑا اچھا سودا کیا ہے اور یہ کامیابی عظیم ہے عظیم کامیابی ہے۔

فرزند رسولؐ متابعت رسولؐ کی منزل پر ہیں۔ اور اس متابعت کی آخری منزل ہے کہ جہاں آواز دیتا ہے قرآن وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْاٰیٰتِیْ (سورہ طہ آیت ۷۷) سلام ہو اس پر جو ہدایتوں کی پیروی کرے۔ اگر قرآن میں سَلَامٌ عَلٰی اٰبِیْرَہِیْمَ ہے، اگر قرآن میں سَلَامٌ عَلٰی فَوْجِ فِی الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ اور سَلَامٌ عَلٰی مَوْسٰی وَہَارُوْنَ ہے تو پھر کربلا والوں کے لیے بھی قرآن میں سلام موجود ہے اور وہ یہ کہ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْاٰیٰتِیْ (سورہ طہ آیت ۷۷) سلام ہو اس پر جس نے ہدایتوں کی پیروی کی وَالسَّلَامُ عَلٰی عِیْسٰی بْنِ مَرْیَمَ (سورہ مائدہ آیت ۵۹) سلام ہو اس پر جو اس کے بندوں میں چنے ہوئے بندے ہیں۔ مصطفیٰؐ بندے ہیں۔ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ یَا مَسِیْہُہُمْ نَرْفَعُ لَہِ الْاٰکِرَ

۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱ اور ۱۱۲ میں ہیں۔



دوسرے وعد آیت ۲۴) سلام ہو تم پر کیا مبر کیا تم نے، میرے صابر بندوں پر سلام ہو  
 سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ شَیْءٍ سَاجِدٍ (سورہ یٰسین آیت ۵۸) رسلہ حمیم کی طرف سے سلام ہو  
 سَلَامٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَانْزِلُوْهُمْ خَالِدٍ (سورہ زمر آیت ۲۳) تم پر سلام ہو یہ جنتوں  
 کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

وہ جہاں ملائکہ مقربین شہداء پر سلام کر رہے ہوں، جہاں ہدایت پانے  
 والوں پر سلام لازم ہے تو وہاں ایک مرتبہ ہم سلام کر لیں اور اس آفا کو سلام کر لیں۔  
 اس نوا پر سلام کر لیں کہ جس پر اس وقت سلام ضروری ہے۔ سلام ہو میرا کربلا کے  
 اس شہید پر جس کی لاش اس وقت بے گور و کفن پڑی ہے، سلام ہو میرا فرزند رسول  
 آپ پر اس لئے کہ آپ نے مبر کیا۔ اس لئے کہ آپ نے ہدایت رسول کی پیروی کی  
 سلام ہو میرا فرزند رسول آپ پر اور اس پہننے والے خون پر، اس پہننے والے لبو  
 پر، اس شہید پر جو آپ کے زانوؤں پر دم توڑ رہا تھا، ایک ایک شہید پر ہمارا سلام  
 ہو فرزند حسین ابن علی پر سلام ہو، برادران حسین ابن علی مظلوم پر سلام، سلام ہو علی  
 اکبر پر، سلام ہو عموں محمد پر، سلام ہو قاسم ابن حسن پر، سلام ہو عباس ابن علی پر اور  
 سلام ہو ہمارا ان اصحاب و انصار پر جو لیک لیک کہہ کر اپنی جانیں فرزند رسول پر  
 نثار کر رہے تھے اور اعلان کر رہے تھے کہ ہم ہوا و ہوس کے ساتھ نہیں ہیں خدا کے  
 ساتھ ہیں۔

ایک تقسیم ہو چکی تھی کہ ملائیں، اس طرف ہو اب اس طرف خدا ہے، جو خدا  
 کے ساتھ ہے ان سب پر ہمارا سلام ہے۔ ہمارا سلام ہو شام غریباں کی اس  
 مجلس میں اس امام مظلوم پر جس نے آخر وقت کہ انتہائی صبر و استقلال و استقامت  
 سے اس بات کا ثبوت دیا کہ وہ ہدایتوں کے ساتھ ساتھ ہے۔ اور جس کے ساتھ  
 مرنے والے ایک ایک شہید نے اس بات کا ثبوت دیا کہ وہ ہدایت کے ساتھ ہے

کسی ہوا و ہوس کے ساتھ نہیں ہے۔

ہمارا سلام قبول ہو رہا ہے۔ ہم اب سلام کر لیں گے اس بنی بنی پر جس کا نام  
 ثانی زہرا زینب کبریٰ ہے جو فاطمہ زہرا کی نائب ہے۔ بنی بنی غلاموں کا سلام قبول ہو۔  
 بنی بنی آج پہلی رات ہے، جہاں اہل حرم کی نگرانی آپ کو کرنا ہوگی۔ بنی بنی کل تک عباس  
 تھے کل تک عون و محمد تھے۔ کل تک قاسم ابن حسن تھے۔ کل تک علی اکبر تھے،  
 بنی بنی آج آپ جیلے ہوئے غیموں کی نگرانی کریں گی۔ ہمارا سلام قبول ہو اور ہمارا  
 سلام ہو اس یتیم بچی پر کہ جو تلپٹے کھا کھا کر چچا کو پکار رہی ہے۔ آؤ چچا غیمے جل رہے  
 ہیں۔ چچا نہیں آئے، سکیڑے کا کرتا جل گیا چچا نہیں آئے۔ سکیڑے نے تلپٹے کھائے  
 چچا نہیں آئے۔ بنی بنی ہمارا سلام ہو آپ پر، سکیڑے بنی بنی آپ رات کے اندھیرے  
 میں، آپ جا لیں گی بابائے سینے پر سونے کے لئے۔



## کلمہ طیبہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَجَعَلْنَا قُلُومَنَا كَآفِيَةً لِّىْ عِصْيِهِمْ لَعَلَّاهُمْ يَرْجِعُونَ (سورہ زمر آیت ۲۸) حضرت  
ابراہیمؑ کے لئے ارشاد ہوا کہ انہی کی اولاد میں ہمیشہ باقی رہنے والا کلمہ چھوڑ دیا تاکہ وہ  
خدا کی طرف رجوع کریں۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت ہماری شان میں نازل ہوئی ہے  
تکلمہ یا قیۃ یعنی قیامت تک اولاد امام حسینؑ میں جو آئمہ ہوں گے ان کا ایک نسل  
باقی رہے گا۔

ہمارے عقائد سے عالم اسلام باخبر ہے۔ اور بعد دور آئمہ اہلبیت غیبی معزی  
ہی کے زلمے میں جتنی کئی میں ٹھہری گئی ہیں ان سب کتابوں میں علمائے اسلام نے  
ہمارے عقائد کو جان کر ان سے واقفیت حاصل کر کے ان کا اختلاف کیا اور وہ  
مباحث پیدا کئے کہ جن مباحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کو ہمارے پورے اصول  
کا علم تھا اور ہم اس بات پر مطمئن ہیں کہ ہمارے عقائد میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں  
جو چھپی ہوئی ہو کسی منزل پر کسی موقع پر عقائد کا کتابوں میں سکون ہوتا یا چھپا ہوا  
رہنا ثابت نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی شخص اپنی جان کے خطرے سے یا کسی اور  
مصیبت کی وجہ سے کسی مقام پر اپنے مکمل عقائد کا اظہار نہ کرے۔ لیکن ساری کتابوں

میں ہمارے پورے عقائد موجود ہیں۔ اور اس اعتبار سے اگر کوئی شخص عالم اسلام سے  
یہ سمجھے کہ اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ آٹھویں ریح الاول کی تاریخ ہے تو میں سمجھوں  
گا کہ اسے یقیناً کوئی دھوکا ہوا ہے اور وہ اس دھوکے کو اپنے آپ پر قائم رکھنا چاہتا  
ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ اس کا اسلام سے تعلق ہو اور آٹھویں ریح الاول کی  
تاریخ سے واقف نہ ہو میں عوام کی ہنگامیں گفتگو نہیں کرنا چاہتا ہوں اس واسطے کہ  
ظاہر ہے کہ عوام کو نہ رسالت اللہ کی تاریخ ولادت معلوم ہے اور نہ امیر المومنین کی اور  
نہ ہی ان کی تاریخ وفات کا کوئی علم ہے نہ خلفائے کرام کی ولادت و وفات معلوم  
ہے اور نہ صحابہ کرام کی ولادت و وفات معلوم ہے۔ آٹھویں ریح الاول سے اگر عوام ناواقف ہوں  
تو کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن جو خواص ہیں جو صاحبان علم ہیں۔ اب سب کو ان تاریخوں کا علم ہے  
اور اس میں ایک حقیقت یہ ہے کہ وہ ہتیاں جن سے یہ تاریخیں منسوب ہیں کوئی ایسی گناہ  
ہتیاں تو تھیں نہیں کہ ان کے متعلق تاریخ عالم چپ ہو جاتی یا مورخین خاموش  
ہو جاتے۔ بلکہ اس وقت جو کچھ لکھنا چاہتے تھے سب کچھ لکھا گیا تھا۔ ہماری حد تک  
صرف یہ امر ہے کہ مَالاً وَنِزَاوً لَّا خَيْرَ ذَا بِهِنَّ اِلَّا اَصُولُ ہے اور اصول کے معنی یہ ہیں  
کہ اگرچہ یہ اصل کی جمع ہے لیکن واحد بھی استعمال ہوتا ہے کہ ہمارے عقائد میں یہ  
اصول ہے مَالاً وَنِزَاوً لَّا خَيْرَ ذَا بِهِنَّ اِلَّا اَصُولُ ہے اور اس لئے زیارت جامعہ کے آخری  
ٹھکرے میں تلاوت کی گئی تھی جہاں آپ زیارت جامعہ پڑھتے ہوئے یہ کہتے ہیں۔  
بِذَاتِیْتِہَا اَخْرَکُم بِذَاتِیْتِہَا اَوَّلَکُم کہ اے آل محمد! ہم نے تمہارے  
آخر کی ولایت کو اس طرح تسلیم کیا ہے جس طرح تمہارے اول کی ولایت کو قبول  
کیا۔ پس وہ زیارت جامعہ جس کا ہم ٹھکرہ ایہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اے  
آل محمد! اوبہم والانکم تہت العلیٰ تمہاری ہی محبت کی وجہ سے کلمہ تمام ہوا



قرآن کہتا ہے کہ نعمت کلمۃ ربک صدقاً وعداً لا یرى رب کا کلمہ صدق اور عدالت کے ساتھ ختم ہوا۔ آل محمد کی نص یہ ہے کہ امام علی نقی علیہ السلام فرماتے ہیں وبما لا تشکک فیہ الخلفۃ تمہاری محبت سے کلمہ تمام ہوا۔ اور قرآن کہتا ہے کہ صداقت اور عدالت ہی اتمام کلمہ میں۔ آل محمد کہتے ہیں کہ محبت آل محمد اتمام کلمہ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جہاں محبت آل محمد آجائے وہاں صداقت آجاتی ہے۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ آٹھویں ربیع الاول پر گفتگو کرتے ہوئے ایک امر کو واضح کر دوں کہ زیارت جامعہ کا کبھی آپ سے ناغہ نہ ہو علیکم بالجامعۃ، علیکم بالجامعۃ برابر آواز آ رہی ہے حضرت حجت کی زبان سے اور خصوصیت کے ساتھ امام علیہ السلام نے زیارت جامعہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ آپ مفاتیح الجنان کھول کر صبح شروع کریں گے تو ان کے بعض جتنے واقعات ہیں وہ سب حضرت حجت سے ملتوب ہیں کہ جس میں زیارت جامعہ پر گفتگو ہے۔ ویسوا لا تکتھم تہمت الظلمۃ والتلغفۃ الفوقہ، تمہاری محبت کی وجہ سے کلمہ ختم ہوا۔ اور فراق ہوا۔ جدائی ختم ہوئی انتہائی ضائع ہوا اور اختلاف دور چور تمہاری مودت پر آپس میں دل مل گئے۔ تمہاری مودت پر سب آپس میں جمع ہو گئے۔ ہمارا اتحاد، ہمارا مل جانا، ہماری یگانگت ہماری یکجائی یہ سب کچھ تمہاری محبت و مودت پر منحصر ہے۔ ویسوا لا تکتھم علینا اللہ معالہ دیننا اور تمہاری مودت کی وجہ سے اللہ نے ہمیں ہمارے دین کے طریقے بتلائے ہمارے دین کے راستے بتلائے۔ تعلیم ملی تمہاری مودت کی وجہ سے دین کی راہ پائی۔ ویسوا لا تکتھم علینا اللہ معالہ دیننا اور اسلحہ صاکن فساد میں دیننا اگر ہماری دنیا بگڑ گئی، ہماری دنیا میں فساد ہو گیا تو تمہاری مودت نے بڑھ کر نہیں سنبھال لیا اور اسلحہ صاکن فساد میں دیننا اور اگر ہماری دنیا میں کوئی بات فساد ہو گئی تو تمہاری محبت نے اس فساد کو ختم کیا۔ ہماری دنیا کو سنبھال لیا یعنی دین و دنیا کی رونق تمہاری محبت ہی کی وجہ سے ہے۔

دین و دنیا میں ہماری عزت تمہاری محبت کی وجہ سے ہے۔ اسی والہنگی سے ہم جیتے ہیں۔ اسی والہنگی کی وجہ سے ہم زندہ اور باقی ہیں۔ اسی والہنگی سے دنیا کو اعراض ہے۔ اسی والہنگی کی وجہ سے دنیا حسد کرتی ہے۔ دنیا نے فقط آل ابراہیمؑ سے حسد نہیں کیا بلکہ دنیا نے آل ابراہیمؑ کے دوستوں سے بھی حسد کیا ہے۔ دنیا نے فقط آل ابراہیمؑ پر ظلم نہیں کیا بلکہ دنیا نے آل ابراہیمؑ کے دوستوں پر بھی ظلم کیا ہے۔ محبت کرنے والے فقط ذہانی دعویٰ نہ کریں۔ بلکہ ان مصائب کے لئے بھی تیار ہو جائیں جو آل ابراہیمؑ پر پڑتے رہے ہیں۔ اسی لئے امیر المؤمنین نے فرمایا ہے کہ من اجبنا اهل البيت فليست تعد للفقير۔ جو آل محمد کو دوست رکھیں، جو آل محمد کے اہل بیت کو دوست رکھیں وہ فقر و فاقہ کے لئے ایک چادر بھی تیار کر لیں۔ اور فقر و فاقہ کے لئے تیار ہو جائیں کہ معلوم نہیں کب مصیبت آپڑے۔ معلوم نہیں کب آسمان ٹوٹ پڑے، معلوم نہیں کب زمین پھٹ پڑے یہ اشارے ہیں۔ یہ کہتے ہیں ان کو سمجھنے کی کوشش کیجئے جو آل محمدؑ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ مصیبت کو برداشت کرنے کے لئے بھی تیار رہے۔ یہ نہ سمجھتا رہے کہ دنیا اس کا اسی طرح ساتھ دے گی جیسا کہ جاگیر داروں کا دنیا نے ساتھ دیا ہے جیسا کہ مستعدانِ نول کا دنیا نے ساتھ دیا ہے۔ جو مظلوم کا بھروسہ دیتا ہے۔ دنیا اس کا اکثر ساتھ نہیں دیتی ہے۔ اب جو یہ جملہ وجوہ التکبر اصنع ما کان فسد منه دنیا تمہاری محبت کی وجہ سے جو دنیا ہماری فاسد ہو گئی تھی اس میں اصلاح ہو گئی ہے۔ جو دنیا ہماری برباد ہو گئی تھی وہ بچ گئی ہے۔ اس کو سمجھ لیجئے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آپ نے ہم کو اس دنیا کی دولت عطا کی ہے۔ بلکہ آپ کی محبت نے ہماری دنیا کو اس طرح صرف کر دیا کہ دنیا ہماری مزرعہ آخرت بن گئی۔ یہ دنیا ہماری آخرت کی کھیتی بن گئی۔ یہ دنیا ہماری باقیات



وصالحات بن گئی۔ مال ملا، آل محمد کی محبت میں خرچ ہو گیا۔ اولاد علی آل محمد کی خدمت کے لئے نذر ہو گئی البہال والبنون ذبیتہا الحیوة الدنیا والباقیات الصالحات یہ سچ ہے کہ مال اور اولاد دنیا کی زینت ہے مگر حب آل محمد کا لقرف ہوتا ہے قلب الہی پر تو مال بھی یا قیات و صالحات بن جاتا ہے، اولاد بھی باقیات و صالحات بن جاتی ہے اور یہ باقی رہنے والی نیکیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کام میں آتی ہیں۔ دنیا نہ رہے تو پھر آخرت میں سوال کا ہے کا ہے۔ دنیا نہ ہو تو پھر آخرت میں گفتگو کا ہے کی ہے۔ امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ اسے دنیا کی مذمت کرنے والے ابھی تو نے دنیا کو نہیں پہچانا۔ الدنیا مستحیة لا ولیا للہ کہ دنیا دوستان خدا کے لئے تجارت کی منڈی ہے کہ جہاں انسان سودا کرتا ہے۔ جہاں انسان بازار میں جا کر اپنی جنس حیات کو بیچتا ہے۔ اور جنس محبت کو خریدتا ہے۔ جہاں سے آل محمد کے موالدات کو خریدتا ہے۔ یہی وہ منڈی ہے یہی وہ تجارت گاہ ہے کہ جہاں پہلوں نے سبقت کی۔ اور جن کے لئے قرآن نے گواہی دی ومن الناس من يتشرون کون ہے ان لوں میں جو اپنے نفس کو بیچ کر مرضی الہی خریدے۔ اس تجارت میں منہ کان خدا تھے، جنہوں نے سبقت کی اور اپنی حیات کو دے کر مولا کی مرضی کو خرید لیا۔ ہمارے لئے کوئی ایسا موقف نہیں ہے اس لئے ہم حیات کو بیچ کر ان کی مودت کو لے لیتے ہیں۔ جنہوں نے مرضی مولا کو خرید لیا تھا اب ان کی مودت کو ہم لے لیتے ہیں تاکہ صحیح معنوں میں یہ مودت بہترین سودا بن جائے۔

میرے محترم بزرگو۔ آٹھویں ربیع الاول کے معنی یہ ہیں کہ پہلے محرم سے جس غم کا آغاز ہوا تھا وہ آج ختم ہو رہا ہے۔ اس لئے نہیں کہ ہم تنہا تھے ہیں اس لئے کہ یہ سیرت آل محمد ہے کہ سترہویں سال پانچ برس کے بعد جب محتال نے قاتلوں کے سر محمد حنفیہ کے پاس بھیجے۔ میرے ان لفظوں پر غور کیجئے اور ان

ناموں کا خیال کیجئے۔ محمد حنفیہ کے پاس جب قاتلوں کے سر بھیجے اور محمد حنفیہ نے عابد بیمار کو اطلاع دی کہ فرزند رسول یہ سر آئے ہیں تو آپ نے حکم دیا کہ سید زادیاں آج اپنا سوگ تمام کریں تو اس کی یاد اس لئے آٹھویں ربیع الاول کو مت لی جاتی ہے۔ آج کی تاریخ یعنی آٹھویں ربیع الاول الموعود و ہم کی سیرت آمد کے اعتبار سے ہے۔ اور نویں کی حد تک۔ فرس کی بات آپ کے علم میں ہے اس کا تذکرہ پھر کسی وقت کروں گا۔ جب میں اس کے متعلق گفتگو کروں گا تو زمانے کے امام حضرت محبت کی تخت نشینی اور تاج پوشی کے عنوان پر اگر یہ شب ہمارے لئے مکتبی اہم ہے۔ کل کا دن ہمارے لئے کتنا اہم ہے۔ تاریخ اسلام کو اس سے کیا تعلق ہے کس طرح سے ہماری زندگی ہونی چاہیے۔ بہر حال آج کی حد تک یہ ہے کہ آج غم کا آخری دن ہے۔ اور آج کی تاریخ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منسوب ہے۔ امام حسن عسکری کے متعلق ایک بات کا خیال رکھیں کہ ہفتہ کا پچھنچہ امام حسن عسکری کا دن ہے اور جمعہ امام زمانہ سے منسوب ہے۔ پچھنچہ کو امام حسن عسکری کی زیارت کو آمد نے ضروری خیال فرمایا ہے۔ زیارت کی صرف دو سطریں ہیں ان کو چھپے پھر تے اٹھتے بیٹھے جب پچھنچہ ہو امام حسن عسکری کو یاد کر لینا ضروری ہے اس لئے کہ امام حسن عسکری کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ صرف اٹھائیس برس کا سن ہے چھ برس معرفت امامت اور چھ برس قید۔ احمد بن اسحاق بیان کرتا ہے یہ ہمارا اصول کافی اور فروغ کافی کا مشہور راوی ہے۔ وہ ابو محمد سے روایت کرتا ہے جس کی کینت آپ کو معلوم ہے۔ ابو محمد دو معصومین کی کینت ہے۔ حسن مجتبیٰ اور حسن عسکری کی ہے۔ یہ بھی حسن ابن علی ہیں وہ بھی حسن ابن علی ہیں۔ ان کا نام حسن بن علی ابن ابی طالب ہے اور ان کا نام حسن بن علی بن محمد ہے۔ ان کی کینت ابو محمد ہے۔ ان کی کینت بھی ابو محمد ہے۔ لیکن فقہ کی کتابوں میں حب



لفظ ابو محمد آئے تو مطلق حسن عسکری مراد ہیں اس واسطے کہ اگر امام حسن سے کوئی روایت ہو تو ہمارا راوی بھی کہے گا کہ عن حسن بن علی ابن ابی طالب وہاں کینت استعمال نہیں ہوگی۔ اس طرح سے کہ جیسے اگر روایت میں کہا جائے کہ ابی الحسن تو آپ امیر المؤمنین قطعاً خیال نہ کریں۔ اگرچہ امیر المؤمنین کی کینت ابو الحسن ہے۔ لیکن فقہ کی کتاب میں امام موسیٰ کاظم، امام علی رضا اور امام علی نقی سے اس کینت کو منسوب کرتی ہیں۔ امام موسیٰ کاظم ابو الحسن اول ہیں، امام علی رضا ابو الحسن ثانی اور امام علی نقی ابو الحسن ثالث ہیں فقہ کی کتابوں میں ہمیشہ آپ کو اس کی تشریح ملے گی کہ عن ابو الحسن اول، عن ابو الحسن ثانی، عن ابو الحسن ثالث تو ابو محمد امام حسن عسکری کی کینت ہے اور مطلقاً ان کے لئے ہی ہے۔ احمد بن اسحاق بیان کرتا ہے کہ میں سرزمین راتے پہنچا اور میں نے بڑی کوشش کی، زندان بان کو میں نے انعام کا لالچ دیا اور خواہش کی کہ میں کسی صورت سے امام سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے بہت ضروری کام ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ نصف شب کے بعد آنا۔ احمد بن اسحاق کہتا ہے کہ آدمی رات گزرنے کے بعد میں وہاں پہنچا تو اس نے بڑی خاموشی کے ساتھ مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے امام کے کمرے تک پہنچا دیا۔ احمد بن اسحاق کہتا ہے کہ امام پر نظر پڑنے سے پہلے میں کمرے کو دیکھ کر رو پڑا کہ وہ اس نہم کا کمرہ تھا کہ اس میں ایک آدمی بمشکل تمام کھڑا ہو سکتا تھا۔ احمد بن اسحاق نے زندان بان سے پوچھا کہ یہ کمرہ کیسا ہے یہ جگہ کیسی ہے۔ کہا کہ یہ کمرہ نہیں ہے۔ یہ کوئی رہنے کی جگہ نہیں ہے بلکہ یہ سامرہ کے تاجداروں جو عباس نے اپنے محل کے نیچے یہ تھوڑی دیر کھڑے ہونے کے واسطے کمرہ بنایا ہے۔ یہ دریا سے متصل ہے اگر کوئی اوپر سے حملہ کرے تو بادشاہ تھوڑی دیر سستے اور اسی راستے سے کشتی میں سوار ہو کر درجہ کے ساتے سے نکل جائے۔ یہ رہنے کا مقام نہیں ہے۔ ابن اسحاق بیان کرتا ہے کہ جہاں

آدمی بمشکل کھڑا ہو سکتا ہے وہاں چھ برس تک امام قید رہے ان امور کو یاد رکھئے دنیا سے لاکھوں انسان مر جاتے ہیں جن کی عمر اٹھائیس سال ہوتی ہے ہم کو مدت نہیں ملاتی کہ وہ اٹھائیس برس سے سن میں مر گئے بلکہ اس لئے روئے ہیں کہ وہ شقاوت جوان کے لئے روا رکھی گئی، وہ ظلم جوان کے لئے جائز رکھا گیا، وہ ستم جو ان پر ڈھاتے گئے، وہ مصیبتیں جو ان پر توڑ دی گئیں اگر وہ بیائیاں ان گنیں تو میں کھٹا ہوں کہ جو اس ذکر سے کہنا یہ کرے گا شاید وہ شکی ہو گا ورنہ تعجب ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے چھ برس تک کس طرح شقاوت کو گوارا کیا۔

احمد بن اسحاق بیان کرتا ہے کہ میں امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے گفتگو کی تو آواز میں نقابت تھی اور مجھے بہت ہی فوجہ کے ساتھ سنا پڑتا تھا میں نے عرض کی فرزند ان رسول! علاج معالجے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ ایک مرتبہ صورت دیکھی اور فرمایا، ابن اسحاق کئی مرتبہ زہر دیا جا چکا ہے۔

ہم پر امام حسن عسکری کا احسان ہے کہ ہمارے اصول کا معائنہ کیا۔ ہماری ساری کتابوں کو پڑھا۔ ہماری ساری تفسیروں کو پڑھا۔ جہاں جہاں کمی تھی علماء کو بلا کر سمجھا دیا کہ اس کمی کی تکمیل کرو۔ جہاں جہاں مسائل فتنہ رہ گئے تھے ان کو مکمل کر دیا۔ باب الیثبات کو مکمل کیا۔ باب المیراث کو مکمل فرمایا، باب الطلاق باب الرضا عنہ کو مکمل فرمایا۔ جب فقہا کہتے کہ فرزند رسول! یہ مسکراتی رہ گیا ہے تو فرماتے لکھ لو شریعت کا مقصد یہ ہے کہ یہ دو مرتبہ دین ہے یعنی جب فقہ کو مکمل کر دیا اور جب یہ جان لیا کہ اب میرے دوستوں کو قیامت تک کوئی تکلیف نہیں ہوگی قیامت تک کوئی کمی نہ ہوگی تو اس وقت فرمایا من کان فی علم ما منہ مغلظاً لھوا۔ مطلقاً لامر ولا فلعوامہ ان یقلل وہ کہ جب ہمارے علماء اپنے ہوا و ہوس کو



مخالفت کریں اور اپنے مولا کے حکم کی اطاعت کریں۔ پس اس وقت عوام کے لئے لازم ہے کہ ایسے علماء کو تقلید کریں۔ تو یہاں علماء کی تقلید کو کھول دیا۔ باب اجتہاد کو کھول دیا۔ تدوین کو مکمل کر دیا اس کے بعد جب یہ دیکھا کہ ستم پر ستم ڈھاتے جا رہے ہیں تو اسی کی مرضی سے فہرست مغزی کا حکم دیا کہ جس کا نتیجہ غیبت کبریٰ ہے۔

یہ ہے وہ مختصر سی تاریخ کہ جس کا جاننا آپ سب پر لازم ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اتنے سنگین فید خانے میں آپ نے علماء سے پوچھا فضل بن شہزاد کی کتنی کتابیں ہیں۔ لوگوں نے عرض کی ایک سو اتنی کتابیں ہیں مگر شیعوں پر۔ فرمایا سب کی سب کتابیں حاضر کرو۔ جب ایک سو اتنی کتابیں آگئیں تو ان کو شروع سے آخر تک پڑھ کر اس کے آخر میں دستخط فرمادیئے اور کہا کہ خدا افضل کرے فضل بن شہزاد پر یہ مفرہ تین مرتبہ فرمایا اور فرمایا کہ میں اپنے دوستوں کو اجازت دیتا ہوں کہ ان کتابوں پر اپنے احکام کو مختصر کر دیں اور اشتباہ احکام کے لئے ان اصول سے مدد لیں۔ آپ ہی سے تفسیر مروی ہے۔ آپ ہی سے وہ تمام روایت مروی ہیں جو ہمارے پاس موجود ہیں۔ یہ کوئی خیال نہ کرے کہ امام حسن عسکریؑ کا کبھی تذکرہ نہیں ہوتا۔ یہ اور بات ہے کہ ہم ننسوں قطعی کی بنا پر مجبور ہیں فقط ذکر حسینؑ اور ذکر علیؑ کے لئے یہ پھر کبھی عرض کروں گا کہ اس کی مصلحت کیا ہے فقط اس واسطے کہ اگر عالم اسلام ان دونوں پر متفق ہو جائے تو بارہ کے بارہ پر متفق ہو جائے گا اس لئے حکم دیا کہ ان دونوں کے تذکرے کو جاری رکھو دینوا مجالس کبر علیؑ یہ نفس قطعی ہے دوسری نفس قطعی امام رضاؑ کی ہے یا اجتہاد شیب ان کنت جاکیا علی حق جہنما۔ اے شیب اگر تجھ کو کسی بات پر رونا آتے تو ہمارے جد غریب پر رو پر روے۔ ان ہی دونوں قطعی کی بنا پر کبھی علیؑ کا تذکرہ کرتے ہیں کبھی حسینؑ کا ذکر کرتے ہیں۔ ورنہ امام حسن عسکریؑ کا ذکر بھی یہی منزلت رکھتی ہے یہی مقام رکھتا ہے عمالوتنا ولا خوتنا جو ہمارے

اولیٰ کے لئے ثابت ہے وہی ہمارے آخر کے لئے بھی ثابت ہے۔ گفتگو کو ختم ہونا چاہئے۔ آٹھویں ریح الاول کی صبح آتی تو تاریخ اسلام بتاتی ہے شاید جمعہ کی صبح تھی آتش طوع نہیں ہوا تھا۔ نماز صبح سے فارغ ہوئے تھے۔ جمعہ حضرت جنت کے لئے اور پنجشنبہ امام حسن عسکری کے لئے مخصوص ہے۔ جمعہ کی صبح ابھی طالع نہیں ہوئی تھی کہ آپ نے اپنے فرزند کو طلب کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سامرہ کے قید خانے میں کل تین آدمی تھے یا امام حسن عسکری تھے، یا پانچ برس کا صاحبزادہ تھا یا ایک کنیز تھی۔ اس کے علاوہ پتہ نہیں چلتا وطن دور، مایہ زور، چھ کار و متہ بہت دور۔ بار بار اپنے جد کو سلام کرنے اور کہتے السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا جدہ حضرت جنت کو بلایا، اسرار امامت سپرد کئے اور ایک ایسے عالم میں بندگی الہیہ میں مصروف ہو گئے۔ غلام خاص کا طور بیان کرتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ امام کے چہرے پر کبھی سرخی دور تھی کبھی سبزی آجاتی تھی اور کبھی زردی طاری ہو جاتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زہر بڑی تیزی کے ساتھ اثر کر رہا ہے پائے اقدس متوہم ہو چکے تھے۔ ہاتھ میں شدید ریشہ تھا۔

جام آب طلب کی مگر مرعشہ کی وجہ سے پانی لبوں تک نہ جاسکا پانچ برس کے صاحبزادے سے فرمایا بیٹا! تم اپنے ہاتھوں سے اپنے پاپ کو پانی پلا دو آخری مرتبہ ہماری یہ خواہش ہے۔ تاریخ ائمہ میں یہ واحد مثال ہے کہ اس طرح کی تنہائی ہو اور پھر اکیلا یہ صاحبزادہ ساتھ ہو اور اس صاحبزادے کو یہ یقین ہو کہ میرا باپ مجھ سے جدا ہو رہا ہے مجھے معلوم ہے کہ جب امام رضاؑ سفر کے لئے جہاز ہے تھے تو امام تقیؑ جو اد کا سن چھ برس کا تھا جب تقیؑ جو اد کو اس کا علم ہو گیا کہ میرا باپ لو ان کعبہ کرچکا ہے اور گھوڑے پر سوار ہو رہا ہے تو امام تقیؑ جو اد مٹی پر بیٹھ گئے اور مٹی کو اپنے سر پر ڈالنا شروع کیا۔ امام رضاؑ کی نظر بڑی تو کھائی بیٹا یہ کیا کر رہے ہو۔ عرض کی بابا جان جیس



کو اپنے یتیم ہو جانے کاظم ہو وہ کیا کرے۔

یہ اور واقعہ ہے کہ اس کمن صاحبزادے کو دیکھتے معلوم ہے کہ باپ دنیا سے جا رہا ہے مگر راوی بیان کرتا ہے کہ کمال صبر کی تصویر تھی حضرت حجت نے اپنے ہاتھ سے اپنے باپ کو پانی پلایا۔ اپنے ہاتھ سے اپنے باپ کو وضو کرایا۔ احکام واجب وضو ادا کئے۔ اپنے ہاتھ سے اپنے پدر گرامی کا مسح کیا۔ اب اس کے بعد اپنے پدر گرامی کو قبر رخ کیا۔ نماز میں مصروف ہو گئے تو ظلم بیان کرتا ہے کہ میں نے دیکھا حضرت نے زمین کے اوپر سجدہ کیا اور اسی سجدے کی حالت میں یہ آواز دی میا عنیاث المستغیثین۔ امام حسن عسکری کی یہ عجیب روایت یاد ہے۔ بہر حال مجھے اور آگے جاننا ہے تاکہ آپ پر واضح کر دوں کہ میں آپ کو کیوں رحمت دے رہا ہوں۔

ایک مرتبہ نماز سے فارغ ہو کر آواز دی یا مبنی بیٹے کا نام لیا۔ وہ نام کہ جس کو بغیر مکمل تعظیم کے نہیں لے سکتے، بیٹے کا نام لیا اور کہا دیکھو تمہارا باپ تم سے خست ہو رہا ہے تم چلے جاؤ۔ دیکھو بیٹا! قبل اس کے کہ کوئی تم کو دیکھے چلے جاؤ۔

راوی کہتا ہے کہ میں دیکھ رہا تھا کہ امام بار بار کہہ رہے تھے کہ چلے جاؤ لیکن امام جانا نہیں چاہتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ صاحبزادہ ایک قدم آگے بڑھا اور بولا یا با جان کہاں ہیں۔ جس عسکری کہاں ہیں راوی نے کہا کہ حسن عسکری دنیا سے چلے گئے تھے۔ کہا بلاؤ علماء کو علماء سامنے آئے، چادر کو ہٹا کر کہا کہ دیکھو ان پر کوئی آثار نذا سے نہیں ہیں نزات کے نشانات نہیں ہیں، ان کو زہر نہیں دیا گیا۔ اعلان کر دو اور اس کے بعد محمد نے کہا کہ میرے سامنے ان کی لاش باہر لائی جاتے۔ چھ برس کے بعد امام حسن عسکری کا جنازہ باہر لایا گیا اب تمام تاریخیں اس بات پر متفق ہیں کہ جو نہی جنازہ باہر آیا سرمن رائے میں ایک آواز آئی یا ابن السہم ضہاء اے رخصت ہو بیٹے! یعنی اہل سامرہ امام کو اس طرح پکارتے تھے۔ جب لاش باہر نکلی، یزار میں

تھے تمام علماء جمع ہو گئے۔ سارے لشکر جمع ہو گئے سارے عسکر جمع ہو گئے تمام سامرہ کے مسلمان جمع ہو گئے۔ بغداد کو اطلاع ملی بغداد کے لوگ آ گئے۔ راوی کہتا ہے کہ آئمہ میں سے کسی کی لاش اس شان سے نہیں اٹھی۔ پورا سامرہ لاش کے ساتھ شایعت جنازہ میں اس طرح سے آگے بڑھا کہ ساری دنیا کو حیران ہے۔ معتد آگے آگے وزیر اس کے ساتھ ساتھ، علماء پیچھے پیچھے پورا شہر ساری دکانیں بند بغداد کی پوری خلقت آئی، اس طرح گیا رہو بن امام دفن ہوئے امام علی نقی کے پہلو میں۔

واقعہ کو صدیاں گزر گئیں۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ ایک مرتبہ بنی عباس کے آخری دور میں آخری بادشاہ سامرہ کی سیر کو چلا۔ امام علی نقی اور امام حسن عسکری کے روئے پر پہنچا۔ پوچھا یہ کس کی قبر ہے لوگوں نے کہا یہ امام علی نقی کی قبر ہے۔ یہ شیعوں کا دوسرا امام ہے اور یہ شیعوں کا گیارہواں امام ہے۔ اندر گیا۔ زیارت کی اور زیارت کر کے دیر تک قبر کو دیکھتا رہا اس کے بعد واپس گیا۔ لوگوں نے کہا کہ امیر! آپ یہاں تک جب آتے ہیں آپ کے دادا کی قبریں بھی یہاں موجود ہیں یہیں توکل دفن ہیں۔ یہیں محمد دفن ہیں۔ یہیں محمد کا بیٹا دفن ہے یہیں متوکل کا باپ دفن ہے۔ کہا چل کے دیکھ تو لیجئے وہ چلا۔ پیچھے پیچھے دیکھا تو کھلمکھلا میدان ہے اجڑی ہوئی قبریں ہیں جالوز لوط رہے ہیں۔ کوئی اس طرف جاتا نہیں مٹی کے ڈھیر پر پڑے ہوئے ہیں اس نے خاموشی سے ان قبروں کو دیکھا۔ وزیر نے کہا اب آپ تحت حکومت پر ہیں یہ آپ کے اجداد کی قبریں ہیں۔ وہ محمد کے پوتوں کی قبریں ہیں معلوم نہیں کہ دینے جن پر ظلم کئے ان کی قبریں بن رہی ہیں اور دنیا میں جینوں نے حکومت کی آج وہ اجڑی ہوئی حالت میں ہیں۔ تو یہ آپ کے اجداد کی قبریں ہیں۔ یہ مناسب نہیں کہ آپ کی حکومت کا اقتدار ہے اور آپ کا بیت المال ہے



اپنے آباء و اجداد کی قبریں تیار کریں اور ان کے رونے تیار کریں۔

راوی بیان کرتا ہے جو وزیر ہے کہ اب تک صبح سے وہ بڑے سکون و وقار کے ساتھ خاموش کھڑا تھا۔ جب یہ جملہ ختم ہوا تو بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ کہا کہ تو کیوں پوچھتا ہے ان باتوں کو۔ اس لئے کہ خدا نے ہمارے آباء و اجداد کو ذلیل ہونے کے لئے پیدا کیا تھا۔ اور آل محمد کو عظمت کے لئے پیدا کیا تھا۔ یہ دنیا کے خزانے صرف کر دیں یہ قبریں آباد نہیں ہوں گی۔ دنیا کی دولتیں لگا دیں یہ رونے انہیں کے بنتے ہیں جن کو خدا عظمت دیتا ہے اور ان کو دنیا سلام کرتی ہے تو یہ رونے نہیں بن سکتے۔ جن کو خدا غلہ قابل سلام بنادیا ہے ان کے رونے بنتے ہیں۔

یہ جملے آپ کی خدمت میں عرض کر دیئے گئے۔ تاریخ کا یہ ایک اہم واقعہ ہے۔ اگر یہ اہم واقعہ آنے والی کسی تقریر سے شاید مربوط ہو جائے مگر یہ بڑی کام کی بات ہے کہ بادشاہ کا یہ کہنا کہ اگر میں سارا بیت المال بھی اپنے آباء و اجداد کی قبریں بنانے میں صرف کر دوں تو وہ قبریں کبھی آباد نہ ہو سکیں گی جن کو خداوند عالم آبادی دے، جن کو خداوند عالم عظمت و عزت دے ان کی قبریں اسی قابل ہوتی ہیں۔ جن پر صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک سلام کرنے والے سلام کرتے ہیں۔ ہم بھی آج اپنے امام کو بڑی دور سے سلام کرنا چاہتے ہیں۔ سلام ہو فرزند ان رسول! اے امام حسن عسکری آپ پر سلام ہو۔ اس لئے سلام کہ آپ مدوین کے حاکم ہیں اور اس لئے سلام کہ جس کا دور ہے یہ لازم ہے کہ اس کے لئے تعزیت کی جائے۔ تعزیت بھی جو جس کا دور ہے۔ یہ عجت کا دور ہے۔ اس لئے رسم تعزیت بھی مکمل ہوا ہے زمانے کے امام! اللہ آپ کو صبر دے۔ آپ کے پدر گرامی کے غم میں پہلی محرم سے جو ذکر شروع ہوا تھا وہ اب ختم ہو چکا ہے حضرت

ججت اگر اجازت دیں، اس لئے کہ میں ان کو حاضر و ناظر سمجھتا ہوں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جہاں وہ مصیبت سمجھتے ہیں وہاں موجود ہیں اگر وہ اجازت دیں تو میں ان کی بارگاہ میں سلام اور بندگی کے بعد عرض کروں کہ کیوں مولانا اگرچہ آپ کے پدر گرامی کا ماتم ہے اگرچہ آپ کے پدر گرامی کے ماتم کا دن ہے لیکن آپ ہی کی انصاف کی موجودگی میں اس غم کو ختم ہو نا چاہئے۔ ذکر حسین کو ختم ہونا ہے کہ پہلی محرم سے جس غم کو شروع کیا تھا آٹھویں ریح الاول کو اس غم کو ختم ہونا ہے۔ تو پھر ہمیں سے میں عرض کروں کہ مولانا یہ نامناسب ہو گا کہ امام حسن عسکری باوجود قربت باوجود مصیبت، باوجود قید، باوجود درد و آلام کی طمانیت تھی امام کو ایک سکون تھا، امام کو اطمینان یہ تھا کہ اگرچہ میں تنہا ہوں لیکن اس وقت میرا ایک بچہ تو ہے۔ اس وقت میرا ایک بچہ میرے ساتھ ہے۔ اگرچہ کس نہی مگر جو اتنی طمانت رکھتا ہے کہ دشمن آئے تو پردے میں چلا جائے۔ دشمن پانہ سکے۔ بڑی توجہ سے سنئے! یہ سکون ہے قلب امام یازدہم کو کہ میرے بعد میرے بچے کو کوئی تکلیف نہیں دے سکتا میرے بعد میرے بچے کو کوئی ظلم نہ نہیں مار سکتا۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا! میں اپنی تقریر کو یہیں ختم کرنا چاہتا ہوں اور حضرت ججت ہی سے اجازت لئے کر ختم کرتا ہوں کہ فرزند رسول! یہ مقدّر ہو چکا تھا کہ آپ کو معتمد نہ دیکھے۔ یہ مقدّر عطیہ الہی تھا کہ کوئی لشکر والا، کوئی دنیا کا انسان کوئی دنیا کی طمانت آپ کو پردے سے باہر نہ لاسکے۔ اگرچہ آپ کا سن پانچ برس کا تھا۔ مگر جانے والا باب اس بات کا یقین رکھتا تھا کہ میں مطمئن ہوں۔ میں تو جا رہا ہوں میرے بچے کو کوئی دکھ نہیں دے سکتا۔ میرے بچے کو اب کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ دو جملوں کی اجازت دیجئے کہ ہائے حسین! اب نہیں معلوم کہ میرے لئے کون سا واقعہ قابل ذکر رہ جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جب آپ غم کو ختم کریں کسی ایسے واقعہ پر اگر غم کو ختم کرو۔ شاید حسین



ابن علی رضی اللہ عنہ پر سن رہے ہوں تو بے چین ہو جاتیں۔ ہاں! فرزند رسول! یہ عجب واقعہ ہے کہ آپ بھی گھوڑے پر سوار ہو چکے تھے۔ آخری منزل تھی بہنوں کو رخصت کر چکے تھے۔ عباسؓ نہ تھے علی اکبرؓ نہ تھے۔ عیسیٰ و محمدؓ نہ تھے۔ قاسمؓ نہ تھے۔ کوئی یار و ناصر نہ تھا۔ ہاں آپ اکیلے تھے۔ عین کو دیکھا یا رکو دیکھا نظر میں نہ آتا تھا۔ وہ اپنی جانب کو دیکھا، باتیں جانب کو دیکھا جب دیکھا کوئی نہیں ہے تو کہا ذوالجناح چلے یہ آخری سواری ہے۔ جرنہی ذوالجناح نے ارادہ کیا ایک مرتبہ گھوڑا رک گیا پوچھا کیوں چلتے نہیں۔ کہا مولانا! یہ دیکھتے، آپ نے دیکھا تین برس کی بچی گھوڑے سے لپٹ گئی آپ گھبراتے نہیں آپ پریشان نہ ہوں آپ حیران نہ ہوں یہ ہماری آخری مجلس ہے۔ یہ ہمارا آخری غم ہے۔ اس کے بعد پھر ہماری محافل ہیں۔ پھر ہمارے جشن ہیں۔ سیرت کے جلسے ہیں۔ محفل و میلاد ہیں۔ ہم بھر بھر کے ساتھ ہیں لیکن آج غم کا خاتمہ ہے۔ اس لئے تمنا کے ساتھ کہ اگر کوئی کمی رہ گئی ہے تو مکمل ہو جائے یہ دو چار جلسے سنئے کہ حسین گھوڑے سے اترے۔ بیٹی کو گلے سے لگا لیا کیوں نہ کیا ارادہ ہے۔ عرض کیا بابا جان! کہاں جا رہے ہو۔ فرمایا میں وہاں جا رہا ہوں جہاں جا کر سافرواپس نہیں آئے۔ سیکند نے عرض کیا بابا! ہم کو اپنے نانا کے روضے پر پہنچا دیجئے ارشاد فرمایا سیکند! پہنچا تا ضرور مگر کیا کروں بیٹی! اسے بند ہیں۔ سیکند نے کہا بابا! اگر اجازت نہیں ہے تو گھوڑی دیر رک جاتیں۔ ارشاد فرمایا سیکند! کیا چاہتی ہو۔ کہا بابا! اجاں ہے۔ سیکند چلی جاؤ۔ بھی سینے سے لپٹ گئی۔ گھوڑی دیر بھی سوئی اس کے بعد کھڑی ہو گئی اور کہا بابا! خدا حافظ فرمایا سیکند! سینے پر سو کر کیوں اٹھ پڑی۔ کہا بابا! میں سوئی تھی خواب میں دادی آئیں تھیں۔ مجھ سے کہہ رہی تھی سیکند! حسین کو نہ رو کو جانے دو عصر قریب ہے۔

الاعوذ باللہ علی القوم الظالمین من یومناہذا الی یوم الدین

## ذکر حسین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۳۱۰ھ کا آغاز ہمارے قری سال کی ابتدا اور بہار و خزاں کی پابند نہیں یعنی توحید کے پرستار موسم پرست نہیں کہ ان کی عید صرف بہار میں آئے تاکہ برید میں سامان بہار جیتا رہے۔ ہمارے لئے کبھی چیلوانی دھوپ کے روزے ہیں تو کبھی کرکڑا تے جاٹے کی سحر۔ پتے ریختان کی قیامت خیز تو کبھی حاجیوں کا استقبال کرتی ہے تو کبھی بادِ شمال کے کلچر ہلا دینے والے سرد جھوٹے صفا و مروا کے درمیان سہمی کی لذت کو دوبالا کر دیتے ہیں۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ہجری سال کا آغاز محرم سے ہوتا ہے تاکہ نئے سال کو مسرت و انبساط کے بے معنی اور فانی لذتوں سے بٹا کر تجدید عہد و وفا اور جذباتِ فدویت و ایثار سے شروع کیا جاسکے۔ یہی عہد کہ اعلائے کلمہ حق کے لئے پیغمبرِ آخر الزماں کا ہر امتی کسی قربانی سے دریغ نہیں کرے گا۔ اور یہی جذبہ ایثار کہ حفاظتِ اصولِ اسلام کے لئے اگر ترکِ وطن لازمی ہو تو منظور۔ اسے اگر پناہ گاہ سے ہٹن پڑے تو قبول ہو۔ اگر منظم طاقتوں کی اکثریت سے اپنی اقلیت کے باوجود ٹکرائنا پڑے تو ماسوا اللہ کے بے خوف ہو کر انسان ٹکرا جائے۔

عرض بر مسلمان اپنے خیر ارادی عالم میں بھی ختمی مرتبت کے چھوٹے نواسے



کے مذکرے کو سن کر آثار غراؤ کو دیکھ کر غم و محن کی ایک لہر کو محسوس کر کے ایک عزیز مہتمم کرتا ہے کہ اگر خالق روح و جسد کو یہ پسند ہو کہ امر حق میں روح و جسد کا ہر تعلق منقطع ہو جائے تو ہم اس کے لئے ہر وقت تیار ہو جائیں۔

مشیت الہی یہ ہے کہ راہِ محبت کا ہر مسافر بغیر امتحان کے نہ رہے حسب الناس ان یشوکان یقول امنا و ہم لا یفتنون کیا انسان بھی گمان کرتے ہیں کہ ان کو معرفت اس لئے بغیر امتحان چھوڑ دیا جائے کہ وہ اپنے آپ کو ایمان دار کہتے ہیں نہیں لقد فتنا الذین من قبلہم ہم نے ان سے پہلوں کو بھی آزمائش میں مبتلا کیا تھا اور ظاہر ہے کہ

برکہ و ریس بزم مقرب تراست

جام بلا پیشترش می دہند

موالید ثلاثہ کی حدیث آخر پر انسان کھڑا ہے۔ صاحب عقل و شعور ہے۔ حاصل ہوش و حواس ہے اور اظہارِ انا پر مجبور۔ اگر اس انا کی نمائش میں صرف لذات دنیا کی ہوس اور غیر حق کی پرستاری ضمیر ہے تو یہ انا ترقی سے محروم اور جاہل ہے اور قانونِ الہی بھی اس کو ایک طویل مہلت دینے کے لئے تیار ہے اور مقصدِ خلقت کو پہنچانے اور انسان کو مسلسل ترقی سے آشنا کرتے ہوئے ملکوتی حدود تک پہنچانے کی کوشش میں اگر کوئی اپنی انا کو رہبری کے لئے پیش کرے تو مشیت الہی برکام پر ایک نیا امتحان لیتی ہے اور ہر نفس پر اس کو ایک نئی آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ تا علاج خستگی آزمائش و بگرد

غبارِ در رگزار ہمیں ان انداختہ

یہی وہ منزل ابتلا ہے جہاں ابوالبشر ثابت قدم رہنے کی دعائیں مانگتے

ہیں اور جہاں نور سانس نبی اور العزم اپنی قوم کے ہاتھوں حیران و پریشان نظر آتا ہے اور ہاں یہی وہ مقام آزمائش ہے جہاں باپ بیٹے کو تہ تیغ رکھتا ہے اور قد صدقت السو و یا عات کذا لک فی جزئی المحسن کے خطاب سے سرفراز کیا جاتا ہے لیکن امتحان کے مراتب ہیں۔

طفیان ناز بین کہ جگر گوشہ فخیل

آمد بذر تیغ و شہید سخی کنند

اسی راہ میں یعقوب کو یوسف کے فراق میں مبتلا کیا جاتا ہے اور یوسف عیناً من الحزن کے عنوان سے تاریخِ محبت لکھی جاتی ہے یہی وہ موقف امتحان ہے جہاں پیغمبری عطا کر کے بندگی کی آزمائش مطلوب ہے

عنقی یوسف را دریں کوہا برینا اس غرخت

بندگی خواہد بیمیز ادگی منظور نیست

الشارعہ انہی بندوں کی آزمائش ہے جن کو قدرت نے منتخب کیا ہے اس دربارِ محبت میں ذکر یا پکار رہے ہیں وہ بلا تخریبی فزدا و انت خیر الوار نہیں اور ذوالنون پکار رہے ہیں لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین کہ بندگی کی قدروں کو جب تو لاجا تا ہے تو طافوتی دربار میں بھی کاسر پیش کیا جاتا ہے اور عی دنیا کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے صلیب تک پہنچ جاتے ہیں جوہر فزوانیت مقصد لولاک مطلوب الہی ختمی مرتبت کے لئے ابتلا و آزمائش کے مراحل تھے لیکن سب سے کہیں زیادہ یہاں تک کہ ماوڑی نبیا کہا اور نبیت کی حقیقت نمایاں ہو گئی۔ گذر منزل تسلیم و رضا مشکل ہے

جن کے رتبے ہیں بوالہ کو سوا مشکل ہے



سنت الہی اس طرح سے جاری و ساری رہی۔ انبیاء و اولیاء کا امتحان یہ  
جاتا رہا۔ اور راہ حق سے انحراف اور حکم انبیاء سے عدول کرنے والی قومیں قاتلونی  
نزدول عذاب الہی کی زد میں آئیں اور تباہ ہو کر رہ گئیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اعلائے کلمہ حق کے لئے جن نفوس قدسیہ نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا۔ ان کی  
دولت و ثروت نے نہیں ان کی حکومت و سلطنت نے نہیں بلکہ ان کے فقر و مبر  
واقامت علی الحق نے ان کو ہمارے لئے قابل تقلید بنا دیا۔ نیک و بد، کذب و صدق  
غلو و ور یا حق و باطل کی پیکار میں جب کبھی بے دریغ قربانی کا وقت آیا ہے تو وہی  
زندگیاں ہمارے لئے نمونہ قرار پائیں۔ مقصد معین تھا لیکن اشخاص نے رہنمائی  
کی چونکہ مقصد خود اپنے آپ کو بدوٹ شخص متعارف نہیں کر سکتا اس لئے محیط وحی  
نے فطرت کو ان فی ترقی کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔ فطرت ان فی کے غلط پہلو  
ہوس زدہ انسانوں کو جبلت اکتساب کے غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ وہ ہر  
قیمت پر انسان سے انسان کی بزرگی چھین لینا چاہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر یہ  
ظاہر ہو کہ کسی کا جذبہ روحانیت اہل عالم کے لئے جاذب قلب و نظر بن رہا ہے  
تو وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتے اور ان کی ہوساکیوں کی قربان گاہ ایسے انسانوں  
کی بھی بھینٹ مانگتی ہے جو دنیا کے طالب نہیں جن کو حکومت و سلطنت سے  
رابطہ نہیں لیکن جن کی اقامت علی الحق عام انسانوں کی نگاہوں میں ان کو ایک  
بلند ترین منزل عطا کرتی ہے یہی وہ میدان کارزار ہے جہاں حکومت و سلطنت  
دوستان خدا سے ٹکراتی ہے۔ اور ان سے مبارزت طلب ہوتی ہے اور جب طلبہ واران  
حق اس کے جواب کے لئے مقابل میں آجاتے ہیں تو پھر حق و باطل کا معرکہ کھین

تازہ ہو جاتا ہے ازل سے یہی ہوتا آیا ہے۔ اور یہی ہوتا رہے گا۔

نہ ستیزہ گاہ جہاں حق نہ حریف پھر نکلے

وہی فطرت اسد الہی وہی مرجی وہی مشری

انسانی فطرت کی تجدید گاہیں ہر دور میں تاریخ کے صفحات پر ابھرتی ہیں اور ہر

جب جبلت اکتساب ظلم پر آتی ہے تو پھر انسان صفت و صانع اور صادق و کاذب

کا عادی ہو جاتا ہے انسانیت کی اصلاح جن بندوں کے ذمہ ہے وہ سنت الہی کی

پیروی کرتے ہوئے کبھی فتنہ و پیکار کو اپنی مدافعت و مصالحت سے روکتے ہیں۔ اور

کبھی خنجر بدست اور سرکف ہو کر اجتماعی زندگی میں۔ اصلاح کی یہی دو صورتیں

ہیں۔ اور سنت رسولِ فاطمہؑ زہراؑ کے دونوں بچوں نے اسی شان سے اپنے فرض اصلاح

کو ادا کیا۔ حکیم مشرق نے اس مسئلہ کو یوں نظم فرمایا ہے۔

آں کہ شمعِ شبتانِ حرم

حافظِ جمعیتِ خیر الامم

تالشند آتشِ پیکار و کیس !

ہشتِ یازد بر سرِ تاج و نگین

آں دگر مولائے ابراہیم جہاں

قوتِ بازوئے اسرارِ جہاں

در روزائے زندگی سوز از حسین

اہل حق حریت آموز از حسین

دونوں بھائیوں کے پیش نظر ایک ہی مقصد تھا۔ اور اسی مقصد کی تکمیل

کے لئے کسی نے جام زہر نوش فرمایا اور کسی نے زہرِ خنجرِ مجدہ بمعبود ادا کیا۔

لہذا جب رجب کا مہینہ تھا کہ فرزند رسولِ انقلین نے اپنے مقصد کا



لکھے کہ فرزند رسولؐ نے روضہ رسولؐ کی حرمت کا بھی خیال نہ کیا۔ لاکھوں مسلمان  
یہ سمجھتے رہے کہ مدینے سے فرزند رسولؐ نکلے ہیں شاید کہ مکہ میں قیام ہو۔ حج کے  
فراتر امام کے ساتھ ادا ہوں گے۔ لیکن پاس حرمت کعبہ نے اس پناہ گاہ کو چھوڑنے  
پر بھی مجبور کیا۔ ذی الحجہ کی سات تاریخ کو آخری خطبہ ارشاد فرمایا۔ الہی قوتوں  
اور طاقتوں پر کھٹکوا فرماتے ہوئے موت کے یقینی ہونے کا ذکر کیا اور پھر صاف طور  
پر اعلان فرمایا کہ صحرا کے درندے عراق کی سرزمین پر میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے  
کر رہے ہیں لیکن اس سے مفر نہیں کوئی اور راہ گز نہیں پس یہ فیصلہ ہے کہ رضائے  
اللہ رضائے اہلبیت ہم اہلبیت کی وہی مرضی ہے جو خدا کی مرضی ہے۔

یہ ہیں وہ ناموس کعبہ جنہوں نے کعبہ کا اس قدر خیال کیا لیکن کیا دینا تے نہیں  
دیکھ لیا کہ ۷۳ھ کے آخر تک طائفی طاقتوں اور یزیدی لشکروں نے فرزند رسولؐ  
کا خون بہا کر اتنی جرات و جسارت پیدا کر لی تھی کہ ان کے آگے نہ خواب گاہ رسالت  
کی کوئی قدر تھی اور نہ حریم کعبہ کی دونوں مقامات کو روند ڈالا گیا۔ مسجد رسولؐ کی  
بے حرمتی کی گئی اور رضائے کعبہ کے پردے کو آگ لگا دی گئی۔ فرزند رسولؐ نے  
بہیں پیش گوئی فرمائی تھی کہ میرا ابو بہا کر تم جری ہو جاؤ گے۔ تم کسی کی حرمت کا خیال  
نہ کرو گے اور بالآخر حرف بہ حرف وہی ہوا جو فرزند رسولؐ نے کہہ دیا تھا۔ ۸۰ھ  
ذی الحجہ کو مکہ سے یہ قافلہ چلا۔ ۹۰ھ ذی الحجہ کو آل محمدؐ کی طرف سے پہلی تدبیر بانی  
کو ذبح کے دارالامارہ میں دی گئی اور ابن زیاد نے حضرت مسلم بن عقیل کو حید  
کے دن قتل کر دیا وہ مسلم جو اگر کو ذبح نہ بھیجے جاتے تو شاید کہ بلا کی جنگ کا نقشہ ہی کچھ  
اور ہوتا لیکن مرضی معبود یہی تھی غرض کو ذبح کی طرف اس قافلہ کا رخ تھا کہ حکومت  
کی فوجوں نے راستے بند کر دیئے اور دشت مینو امین فرات کے کنارے غاضر یہ  
سے متعلق کر بلا کی زمین پر یہ قافلہ اترا۔ کاروان سالار نے زمین پسند کی۔ پچھلی

کا اعلان فرمایا اور مروج رسالت پناہ کو تھام کر اپنے معبود کو یوں مخاطب کرنے  
کی عزت حاصل کی۔

خداوند! یہ تیرے نبی محمدؐ کی قبر ہے اور میں تیرے نبی کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔  
خداوند! وہ وقت قریب آگیا جس کا مجھے علم ہے۔ میرے پروردگار مجھے چن لے  
اس مقصد کے لئے جس میں کہ تیری اور تیرے رسولؐ کی خوشنودی ہو۔  
رضائے حق کے جو یا نے مدینہ سے نکلتے ہوئے اپنا وصیت نامہ تحریر فرمایا  
آغا درمیت میں خدائے قدوس کے ایک ہونے اور اپنے ناناکے رسولؐ برحق  
ہونے کی گواہی دی اور جنت و نار و نشر کی شہادت دی اور پھر یہ  
اعلان فرمایا۔

ترجمہ میں نند و نناد کے لئے گھر نہیں چھوڑ رہا ہوں میں مدینے  
سے جا رہا ہوں فقط اس لئے کہ امت جہد کی اصلاح کروں۔  
مدینے سے نکلتے ہوئے شاہ حجاز مدینے کے ہر انسان کو اپنے ساتھ لے کر  
نکل سکے اگر ملک گیری کا خیال واسن گیر ہوتا۔

مدعا نش سلطنت بودے اگر

خود نہ کردے با چنین سامان سفر

اپنے گھر والوں کو لے کر نکلے چند کسں بچے۔ چند بیابان چند نوجوان۔ پھر وہ  
قافلہ جو جہاد حقیقی کے لئے نکلا۔ رات کی تاریکی میں نہیں دن کے اجالے میں  
نکلے۔ اعلان کر کے چلے کفر کی دنیا بہتی رہ گئی کہ اگر حسینؑ اب چلے تو ان کے گرد راہ  
سے بھی مطالبہ بیعت ناممکن ہو جاتے گا۔

اور ادھر سید الشہداءؑ نے بھی طے فرمایا تھا کہ کسی صورت مدینہ چھوڑ  
دیا جائے تاکہ موال بیعت پر اگر طائفی پھر جائے تو آنے والا مورخ کہیں نہ



کا وعدہ یاد آیا اور ساتھ ساتھ یاد آگئے۔ دوسری محرم تھی کہ لشکر جمع ہونے لگے اور ہر بار یہی مطالبہ کہ حسین بیعت کر لیں۔ لیکن جھگڑا تو اسی بیعت پر تھا۔ مدینہ کا ملک یا شام کی ذرخیز زمینیں مابہ التزاع نہیں تھیں۔ فرزند رسولؐ نے سنت الہی پر عمل کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ سر دینے آئے ہیں بیعت کرنے کے لئے نہیں۔ فرات سے نیچے جبراً بٹا دینے گئے۔ ساتویں سے پانی بند ہو گیا۔ گرمی کا جہیز بچوں کی پیاس اعدا کی کثرت، عزیزوں کی قلت، شہادت کا یقین عرض کوئی امر ایسا نہ تھا جو اس پائے ثبات کو متزلزل کر دیتا

وہ اعطش کی صداؤں میں مل رہا تھا سکون وہ ارجحی کی نداؤں میں اٹھ رہا ہے تھے قدم محرم کی تاریخ کو فرزند رسولؐ بالکل گھر گئے تھے۔ اور کی شام آمد ایک رات کی جہلت عبادت الہی کے لئے مانگی۔ یعنی لشکر مخالف کو ایک رات کی اور جہلت دی کہ وہ سوچے کہ کس کے مقابل میں یہ لشکر آرائی ہو رہی ہے اسی طرح شائد کوئی حائل آئے۔ دس کی صبح کو معرکہ کا رزار گرم ہوا۔

اس معرکہ کے لئے فرزند رسولؐ نے یہ مناسب سمجھا کہ مدینہ میں جنگ نہ ہو تاکہ کھلے میدان میں حق و باطل کا مقابلہ ہو جائے۔ خانہ کعبہ میں حج کے موقع پر کوئی لڑائی چھڑتی تو سازش کا پرزہ نہ چلتا اور یہی سمجھا جاتا کہ کسی حاجی نے قتل کر دیا۔ فرزند رسولؐ یہ چاہتے تھے کہ ایک ایسے مقام پر یہ لڑائی ہو کہ کسی کو پھر شبہ باقی نہ رہے کہ کون کس طرف سے لڑ رہا ہے اور کھل جائے کہ حسینؑ ابن علیؑ کے ساتھ کون ہیں اور لشکر مخالف میں کون ہیں اور ان کے معاون کون؟

تاریخ ایسی جنگ کو پھر نہ دہرا سکی لشکر مخالف نے عرسعد نے پہلا تیر چلا یا ہزاروں تیر ساتھ چھوڑے۔ ۲۲ ساتھی اسی وقت جاں بحق ہو گئے پھر مقتول کی باری آئی۔ ایک ایک نے دادِ فاقہ دی۔ ضعیفوں نے شابہ ایمان کی

جہاں دیکھلائیں۔ جو انوں نے غجامتوں کے رنگ دکھلائے۔ بچوں نے مسکرا کر جانیں دیں۔ ابن ابی ہاشمؑ ٹوٹ کر مر گئے۔ جعفر طیارؑ سے پوتے حیدر کرار کے نواسے عونؑ و محمدؑ شہید ہوئے جس کی سبقت کی نشانی قائمؑ ابن حسنؑ شہید ہوئے حیدر صفدر کے نور نظر مارے گئے۔ عباسؑ ترائی سے بھرنا اٹھے۔ علیؑ اکبرؑ نے داغ مفارقت دیا۔ سچین پاک کی پوری پوری نمائندگی تھی۔ آخر میں سرورِ درآ قافلہ سالار تائب احمدؑ میدان میں تشریف لائے۔ آخری جنگ کی اور بابا بار فرماتے تھے محمدؑ کا نواسہ ہوں فاطمہؑ کا بیٹا ہوں، علیؑ کا نورِ نظر ہوں مجھے نہ مارو تم کو چین نہ ملے گا۔ میری رگوں میں فاطمہؑ کا دودھ ہے محمدؑ کا ابو ہے بیعت مجھ سے ناممکن ہے۔ میرا بیعت کرنا نازید فاسق کے ہر امر کو تسلیم کرنا ہے مجھے اسلام کو بچانا ہے لو یہ میرا سر حاضر ہے۔

محرم کی دسویں، عصر کا وقت تھا کہ سرناپہ قدم زخمی ہو کر گھوڑے سے زمین پر تشریف فرما ہوئے۔ عمر کی نماز ادا کی۔ بیعت کے لئے ہاتھ نہ اٹھے سجدہ معبود میں سر کاٹ کر زمین سے اٹھالیا گیا۔

بنگزیہ از عشق کہ دل بسندِ بوِ تاب

بر خاک سجدہ زیندہ شہیدش بھی کشد

یہ ہے وہ عظیم المرتبت قربانی جس کا ذکر ہر سال دہرایا جاتا ہے اس لئے کہ دنیا نیریدیت سے نہ گھبراتے۔ اس لئے کہ اقلیت اکثریت سے پریشان نہ ہو کیونکہ زحمات اور مصیبتوں پر صبر و شکر سے قابو پایا جائے۔ اس یاد کو تازہ کیا جاتا ہے کہ اب بھی نیریدی طاقتیں موجود ہیں۔

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید

اس دو قوت از حیات آید پدید



ذکر حسین کو باقی رکھ کر ہم کو باطل کی طاقتوں سے سبزد آڑما ہوتا ہے۔ مقصد  
 یہی ہے کہ ہم ہر صورت فکر صحیح کی اشاعت کریں۔ اتحاد ملت کے لئے کوشاں ہوں  
 اور ہر آن استحکام ملت کے لئے سعی رہیں۔

زندہ باد حسینیت

پائندہ باد پاکستان

